# العَطَايَا النعِيميَّة فِي الفَتاوی النُّوْرِيَّة


اہل سنت کا نشان
ماہنامہ بقیع کراچی
JULY 2026
مفت سلسلہ اشاعت نمبر 384
Regd. # MC-1177


# فتاویٰ عطائے اہل سنّت

## (7 واں حصّہ)

مُصنّف
شیخ الحدیث ڈاکٹر مفتی محمد عطاء اللہ نعیمی مدظلہ
(شیخ الحدیث جامعۃ النور و رئیس دار الإفتاء النّور)



جمعیت اشاعت اہلسنّت پاکستان
Ph : 021-32439799 Website : www.ishaateislam.net
نور مسجد کاغذی بازار کراچی ۷۴۰۰۰

العَطَایَا النعِیمیَّۃ فِي الفَتاوی النُّوْرِیة

# فتاوی عطائے اہل سنت

(7واں حصہ)

مُصنّف

شیخ الحدیث ڈاکٹر مفتی محمد عطاء اللہ نعیمی مد ظلہ

(شیخ الحدیث جامعۃ النّور ورئیس دار الإفتاء النّور)

ناشر

جمعیت اشاعت اہلسنّت (پاکستان)

نور مسجد کاغذی بازار کراچی ۷۴۰۰۰

جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں

نام کتاب : العَطایَا النعِیمیَّة فِي الفَتاوی النُّوْرِیة

فتاویٰ عطائے اہل سنت (7واں حصہ)

اشاعت نمبر : 384

سن اشاعت : صفر المظفر ۱۴۴۸ھ / جولائی 2026ء

ناشر : جمعیّت اشاعت اہلسنّت (پاکستان)

نور مسجد، کاغذی بازار میٹھادر، کراچی

فون: 021-32439799

خوشخبری : یہ رسالہ www.ishaateislam.org

پر موجود ہے۔

# فہرست

پیش لفظ ........................................ -6-
مصنوعی بالوں پر مسح کا حکم ........................................ -12-
کفِ ثوب واِسبالِ ثوب کا حکم اور کتنی ہڈیوں پر سجدہ کیا جائے؟........... -13-
حنفی کا نماز میں شافعی امام کی اقتداء کرنا کیسا؟ ........................ -23-
مسجد میں اذان دینا کیسا ہے؟ ........................................ -27-
فرض نمازوں کے بعد ذکر بالجہر کی حد ........................ -29-
حالتِ روزہ میں بدکاری کا حکم ........................................ -33-
زکوٰۃ کا حیلہ کب درست ہے؟ ........................................ -37-
زندگی میں قبر کی جگہ مخصوص کرنا کیسا؟ ........................ -41-
نومولود بچے کے انتقال پر نام، غسل اور کفن کے احکام ........................ -44-
تدفین کے بعد تلقین کا ثبوت ........................................ -48-
قبر میں متبرک اشیاء اور عہد نامہ رکھنے کا حکم ........................ -51-
شعار کے معنیٰ: ........................................ -53-
اِشعار میں حکمت: ........................................ -53-
آثارِ صالحین سے تبرک کی اصل: ........................................ -55-
صحابی کا عمل: ........................................ -57-
وصیتِ سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ: ........................ -58-
قبر میں عہد نامہ رکھنا: ........................................ -59-

شوہر کا اپنی بیوی کے ساتھ سالی کو حج پر لے جانا کیسا؟ ........................ -60-
نومسلم عورت کے نکاح کا حکم ........................ -62-
بوقتِ نکاح کوئی شرط لگانے کا حکم ........................ -66-
لڑکے کا شیعہ لڑکی سے پڑھائے گئے نکاح اور لاعلمی میں پڑھانے والے نکاح خواں کا حکم ........................ -68-
بلا تحقیق نکاح پڑھانے والے کا حکم: ........................ -70-
بیوی کی طرف سے طلاق کا مطالبہ ........................ -72-
ایک طلاق سے نکاح کا حکم ........................ -80-
حالتِ حمل میں بیوی کو تین طلاق کا حکم ........................ -82-
طلاق کے بعد رُجوع کے لئے عورت کی رضامندی ضروری ہے یا نہیں؟ ..... -87-
کورٹ کی خُلع کا حکم ........................ -92-
غصے کی حالت میں طلاق کا حکم ........................ -95-
غصے کی حالت میں طلاق دینا ........................ -97-
شوہر کا گھر چھوڑ جانے والی کا لوٹنے پر اُسے رکھنے یا طلاق دینے کا حکم ....... -101-
کسی چیز کو نقد اور اُدھار خریدنے کی قیمت میں فرق کا حکم ........................ -104-
ہاکی کھیلنے کی ملازمت کا حکم ........................ -107-
بچے کو اُس کی ماں کی رضامندی کے بغیر کسی اور کو دینا کیسا؟ ........................ -108-
''اِن شاءاللہ'' اور ''اِنشاءاللہ'' دونوں طرح لکھنے کا حکم ........................ -112-
صحابہ کرام علیہم الرّضوان کے نام کے ساتھ ''رضی اللہ عنہ'' اور اولیاءِ عظام رحمۃ اللہ علیہم

کے نام کے ساتھ "رح" لکھنے کا حکم ........................................ -118-

نامِ محمد کے ساتھ "ص" یا "صلعم" لکھنا کیسا ہے؟ ........................ -121-

بدمذہب سے تعلیم حاصل کرنا اور اس کی تعظیم کا حکم .................... -125-

مسجد کی حدود سے باہر لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر تلاوت کرنا کیسا ہے؟ ......... -128-

اسقاطِ حمل کا حکم ........................................................ -130-

ماخذ و مراجع ............................................................ -136-

# پیش لفظ

نحمدہ و نصلّی ونسلّم علی رسولِہ الکریم ﷺ

اسلام دُنیا کا واحد مذہب ہے جو اپنے ماننے والوں کو ہر معاملے میں مکمل رہنمائی فراہم کرتا ہے اور انسانی زندگی کے ہر شعبہ پر اس کا حکم نافذ ہے۔ ہر کام کے قوانین موجود ہیں، جہاں عبادات کے طریقے بتاتا ہے وہیں معاملات کے متعلق بھی پوری روشنی ڈالتا ہے زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں کہ اسلام میں اس کے لئے رہنمائی نہ ہو۔ اسلام کا یہ نہ صرف دعویٰ ہے بلکہ تاریخ اس بات کی شاہد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام تمام ادیان میں انفرادی اور امتیازی حیثیت رکھتا ہے اور دنیا کے تمام ادیان میں دین اسلام ہی ہے۔ جس نے اپنے ماننے والوں کے لئے علم حاصل کرنا فرض قرار دیا ہے۔ چنانچہ امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ اپنی سند سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: "عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ"۔[1]

یعنی، علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

اسلام کے پاس فقہ و قانون کا جو ذخیرہ ہے وہ مصالح کی رعایت اور انسانی فطرت سے ہم آہنگی کا ایک شاہکار ہے، جس کے مقابل دنیا کا کوئی قدیم وجدید قانون

---

[1] سنن ابن ماجۃ، کتاب السنۃ، برقم: ٢٢٤، ١/ ٧٤

بھی پیش نہیں کیا جاسکتا اور یہ دعویٰ یُوں بھی ممکن ہوا کہ ائمہ دین اور فقہاء و مجتہدین نے احکامِ قرآن و سنّت میں گہری نظر اور طویل غور و خوض کے نتیجے میں فقہ کے ایسے اُصول و قواعد وضع کئے جن کی روشنی میں نہ صرف بے شمار جزئیات مستنبط کئے بلکہ انہوں نے انسانی زندگی کے جزئیات کا اس قدر احاطہ کیا آج اس دنیا میں کم ہی مسائل ایسے ملیں گے کہ فقہ اسلامی میں جس کی کوئی نظیر موجود نہ ہو۔ فقہ اسلامی کا انسان کی زندگی میں ایک اہم حصّہ ہے کہ اس کے بغیر ہماری عبادت، تجارت، معاشرت کبھی دُرست نہیں ہو سکتی اور یہ علم عطیہ ربانی ہے کہ خُدا تبارک و تعالیٰ جس سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے، اسے اس نعمت سے نوازتا ہے۔

چنانچہ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اپنی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنْ يُرِدِ اللهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ" [1]

یعنی، جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اُسے دین میں سمجھ بوجھ عطا فرماتا ہے۔

فقہ و فتاویٰ کے تعلّق سے کئی آیات و احادیث موجود ہیں۔ فتویٰ کی اہمیت کو اُجاگر کرنے کے لیے صرف اُن آیات کو پیش کیا جاتا ہے جس میں اللہ عزّ و جلّ نے "افتاء" کی نسبت اپنی جانب فرمائی۔ منصبِ افتاء کی اس سے بڑی اور کیا فضیلت ہو گی چنانچہ قرآن کریم میں اللہ پاک کا ارشاد ہے: "وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللهُ

[1] مسند الإمام أحمد بن حنبل، برقم: ۲۷۹۰، ۵/ ۱۱

يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ وَمَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِي يَتَامَى النِّسَاءِ" ❶

ترجمہ: اور تم سے عورتوں کے بارے میں فتویٰ پوچھتے ہیں تم فرمادو کہ اللہ تمہیں ان کا فتویٰ دیتا ہے اور وہ جو تم پر قرآن میں پڑھا جاتا ہے اُن یتیم لڑکیوں کے بارے میں۔ (کنزالایمان)

ایک دوسرے مقام پر فرماتا ہے: "يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ" ❷

ترجمہ: اے محبوب تم سے فتوٰی پوچھتے ہیں تم فرمادو کہ اللہ تمہیں کلالہ میں فتوٰی دیتا ہے۔ (کنزالایمان)

فتویٰ دینا کوئی عام کام نہیں بلکہ یہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی طرف سے احکام بیان کرنے کا منصب ہے۔ اسی لیے مفتی کے لیے محض کتبِ فقہ کا صرف مطالعہ ہی کافی نہیں بلکہ قران و حدیث پر گہری نظر، مذہب کے اصول و فروع اس کے دلائل اور حالاتِ زمانہ پر وسیع اور دقیق نظر بے حد ضروری ہے **یہی وجہ ہے کہ اکابر فقہاء و مفتیانِ کرام نے ہمیشہ اس بات پر زور دیا ہے کہ فتویٰ نویسی کی مشق ماہر اور متبحر اُستاذ کی نگرانی میں کی جائے،** ورنہ محض مطالعہ کی بنیاد پر مسائل بیان کرنے والا شخص بسا اوقات سنگین علمی غلطیوں کا شکار ہو جاتا ہے۔

ہمارے علماء نے فرمایا: جب تک کسی ماہر مفتی کی صحبت میں باقاعدہ فتویٰ

---

❶ النساء: ٤/ ١٢٧
❷ النساء: ٤/ ١٧٦

نویسی کی مشق نہ کرلے اس وقت تک ایسے شخص کے لیے فتویٰ دینا جائز نہیں۔ چنانچہ علّامہ سیّد محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں: ''وقد رأيتُ في"فتاوى العلامة ابن حجر": (سُئل في شخصٍ يَقرأ ويُطالع في الكُتب الفقهيّة بنفسه ولم يكُن له شيخٌ، ويفتي ويَعتمدُ على مطالعتِه في الكُتب، فهل يجُوز له ذلك أم لَا؟ فأجَاب بقوله: لَا يجُوز له الإفتاءُ بوجه من الوُجوه؛ لأنّه عاميٌّ جاهلٌ لا يَدري ما يقولُ بل الذي يأخذ العلمَ عن المشايخ المعتبرينَ لا يجُوز له أن يفتيَ من كتابٍ ولا من كتابَينِ بل قال النّووي رحمهُ الله تعالىٰ: ولا من عشرة؛ فإنّ العشرةَ والعشرينَ قد يعتمدُون كلّهم على مقالةٍ ضعيفةٍ في المذهبِ، فلا يجوز تقليدُهم فيهَا، بخلاف الَماهر الذي أخذ العلمَ عن أهله وصارت له فيه ملكةٌ نفسانيةٌ، فإنه يَميز بين الصّحيح من غيره ويعلم المسائلَ وما يتعلّق بها على الوجه المُعتمد به، فهذا هو الذي يفتي الناسَ ويصلُح أن يكونَ واسطةً بينهم وبين اللهِ تعالىٰ'' [1]

---

[1] شرح عقود رسم المفتی، ص:۸۷

یعنی، علامہ شامی فرماتے ہیں: "میں نے ابنِ حجر کے فتاویٰ میں دیکھا کہ ان سے ایک ایسے شخص کے بارے میں سوال ہوا جو کُتُبِ فقہ کا خود مطالعہ کرتا ہے اور خود ہی پڑھتا ہے اس کا کوئی استاد نہیں ہے اور پھر اپنے مطالعہ کتب پر اعتماد کرتے ہوئے فتویٰ دیتا ہے تو ایسے شخص کا فتویٰ دینا جائز ہے یا نہیں؟ تو ابنِ حجر رحمہ اللہ نے جواباً ارشاد فرمایا: اس شخص کو کئی وجوہات کی بناء پر فتویٰ دینا جائز نہیں اس لئے کہ وہ ایک عام جاہل شخص ہے وہ نہیں جانتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے بلکہ اگر وہ معتبر مشائخ سے بھی علم لے کر ایک، دو کتاب سے فتویٰ دے (تب بھی اس کے لیے از خود فتوی دینا جائز نہیں) بلکہ امام نووی علیہ الرحمہ نے تو فرمایا: دس، بیس کتابوں سے بھی فتوی دے تب بھی یہ جائز نہیں؛ کیونکہ مصنّفین بھی مذہب میں کئی مرتبہ ضعیف قول میں اعتماد کرلیتے ہیں لہذا ان کی پیروی کرنا جائز نہیں، بخلاف اس ماہر کے جس نے اپنے استاذ سے (باقاعدہ) علم حاصل کیا، پھر اسے اہلیتِ فتویٰ حاصل ہوگئی، **اب وہ صحیح اور غیر صحیح مسائل میں تمیز کرنے پر اور مسائل کو ان کے متعلّقات کے ساتھ جاننے پر قدرت حاصل کرلے گا اب اس کے لیے صحیح ہے کہ وہ لوگوں کو فتویٰ دے اور اب اس کے لئے صحیح ہے کہ وہ لوگوں اور خدا کے درمیان واسطہ بنے۔**

اسی طرح امام اہل سنّت امام احمد رضا خان حنفی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں: علم الفتویٰ پڑھنے سے نہیں آتا جب تک مدتہا کسی طبیبِ حاذق کا مطب نہ کیا ہو مفتیانِ کامل کے بعض صحبت یافتہ کہ ظاہری درس و تدریس میں پورے نہ تھے مگر خدمتِ علماءِ کرام میں اکثر حاضر رہے اور تحقیقِ مسائل کا شغل ان کا وظیفہ تھا فقیر نے دیکھا

ہے کہ وہ مسائل میں آج کل کے صدہا فارغ التحصیلوں بلکہ مدرسوں بلکہ نام کے مفتیوں سے بدرجہا زائد تھے،۔۔۔۔(جو شخص) **صرف بطورِ خود اردو فارسی کتابیں دیکھ کر مسائل بتائے اور قرآن وحدیث کا مطلب بیان کرنے پر جرأت کرتا ہے تو یہ سخت اشد کبیرہ ہے اور اس کے فتویٰ پر عمل جائز نہیں۔** (1)

بحمد للہ تعالیٰ! اُستادِ محترم شیخ الحدیث ڈاکٹر مفتی محمد عطاء اللہ نعیمی زید مجدُہ کے فتاویٰ پر مشتمل ساتواں حصہ شائع ہونے جارہاہے، آپ وہ مفتی ہیں، جو شعبۂ اِفتاء میں آنے والے علماء کرام کو مستقل مزاجی کے ساتھ کڑی محنت اور کثرتِ مطالعہ کا حکم فرماتے ہیں نیز اُن تمام باتوں پر عمل کرنے کا درس دیتے ہیں جنہیں ملحوظ رکھنا ایک مُدرِّب کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ اللہ کریم قبلہ مُفتی صاحب، علامہ عرفان ضیائی زید مجدُہما اور جمعیّت اشاعتِ اہلسنّت پاکستان کے جُملہ اراکین و معاونین کو سعادتِ دارین عطا فرمائے اور اِس رسالے کو بھی عوام و خواص کے لئے نافع فرمائے۔ آمین!

محمد کامران عطاری نعیمی

المتخصص فی الفقہ الإسلامی بدار الإفتا النّور
جمعیۃ إشاعۃ أھل السنّۃ، باکستان

---

(1) فتاویٰ رضویہ، علم و تعلیم کا بیان، ۲۳/ ۶۸۳

# مصنوعی بالوں پر مسح کا حکم

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین و مُفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ کسی شخص نے مصنوعی بال لگوائے ہوں تو کیا اُن بالوں پر مسح کرنے سے اُس کا وضو ہو جائے گا؟ (سائل: عبد اللہ، کراچی)

باسمہ تعالیٰ و تقدس الجواب: صُورتِ مسئولہ میں بال اگر کھال میں اِس طرح پیوست ہیں کہ بلا حرج اُن کا جُدا ہونا ممکن نہ ہو، تو ایسے بالوں پر مسح جائز ہو گا اور اگر با آسانی جُدا ہو سکتے ہوں، تو اُن پر مسح جائز نہ ہو گا کیونکہ شریعتِ مطہّرہ میں دفعِ حرج کی بنا پر رُخصت دی جاتی ہے جو یہاں موجود نہیں ہے۔

چنانچہ علّامہ ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی متوفی ۳۲۱ھ اور علّامہ بہاء الدین علی بن محمد اسیجابی حنفی متوفی ۵۳۵ھ لکھتے ہیں: وَ إذامسَح علیٰ عمامته أو قلنسوَته لَایجوزوکذٰلك المرأةإذامحت علیٰ خمارها(وَ یجوز إلّا إذا كان رقیقاً ینفذ الماء فِیه فَیبلُغ ربع رَأسها). (1)

یعنی: اور جب اپنے عمامہ یا ٹوپی پر مسح کرے تو جائز نہیں اور اِسی طرح عورت اپنے دوپٹے پر مسح کرے تو جائز نہیں ہے مگر کہ دوپٹہ اتنا باریک ہو جس سے اُس کے چوتھائی سر کو پانی پہنچ جائے۔

اور علّامہ ابو الحسن علی بن ابو بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:

---

(1) الطّحاوی مع شرحه، کتاب الطّهارات، باب السّواك و سنة الوضوء، المسح علی القلنسوة والخمار، ۱/ ۱۳۰

وَلایجوزُالمسحُ علیٰ العمامةِ و القَلنسُوة والبُرقع و القفّازَین لأنّه لا حَرج فِی نَزعِ هٰذه الأشیَاء والرُخصَة لدَفعِ الحَرَج. ❶

یعنی: عمامہ، ٹوپی، برقع اور دستانوں پر مسح جائز نہیں؛ کیونکہ اِن چیزوں کے اُتارنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور (شریعت میں) رُخصت حرج کو دفع کرنے کے لئے ہوتی ہے۔

اور علّامہ زین الدین ابن ابراہیم ابنِ نجیم مصری حنفی متوفی ۹۷۰ھ اور اُن کے حوالے سے علّامہ محمد عابد بن احمد سندھی انصاری حنفی متوفی ۱۲۵۷ھ فرماتے ہیں: قَال فی "البحر" ❷ وأمّا المسحُ علیٰ العِمامة فأجمعُوا علیٰ عدَمه جوازه. ❸

یعنی: صاحب البحر فرماتے ہیں کہ عمامہ پر مسح کے عدمِ جواز پر اجماع ہے۔

لہٰذا اُن بالوں پر مسح جائز ہو گا کہ جن کو جُدا کرنے میں حرج ہے۔

واللّٰہ تعالیٰ أعلم بالصواب

JIA-1275

## کفِ ثوب واسبالِ ثوب کا حکم اور کتنی ہڈیوں پر سجدہ کیا جائے؟

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ نماز میں سجدہ کتنی ہڈیوں پر ہوتا ہے اور نماز میں ٹخنے سے نیچے کپڑے لٹکانا کیسا ہے نیز

---

❶ الهداية، كتاب الطهارات، باب المسح على الخفين، ١/ ٣٧

❷ طَوالِع الأنوار شرح الدّر المختار، كتاب الطّهارة، باب مسح على الخفين، تحت قوله: لعدم الحرج، ١/ ٥٠٦، مخطوط مصوّر

❸ البحر الرّائق شرح كنز الدقائق، كتاب الطّهارة، باب مسح على الخفين، ١/ ٣١٩

کیا کپڑے کو موڑا جا سکتا ہے نماز میں؟ (سائل: محمد اویس، موسیٰ لین، کراچی)

باسمہ تعالیٰ و تقدس الجواب: نماز میں سجدہ، سات ہڈیوں پر ہوتا ہے، جن میں سے دو پیر کے پنجے، دو گھٹنے، دو ہاتھ اور پیشانی کی ہڈی شامل ہیں اور کفِّ ثوب (کپڑے موڑنا) مکروہِ تحریمی ہے۔

چنانچہ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ (1) اور امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ (2) اپنی اپنی سند سے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: قَالَ النَّبِيُّ ا: أُمِرْتُ أَنْ أَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ عَلَى الْجَبْهَةِ (وَأَشَارَ بِيَدِهِ عَلَى أَنْفِهِ) وَالْيَدَيْنِ وَالرُّكْبَتَيْنِ وَأَطْرَافِ الْقَدَمَيْنِ وَلَا نَكْفِتَ الثِّيَابَ وَ الشَّعَرَ. (واللفظ للبخاری) وَفِيْ رِوَايَةِ الدَّارِمِيِّ (3): وَ لَا يَكُفَّ الثِّيَاب وَلَا الشَّعْرَ.

یعنی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سات ہڈیوں پر سجدہ کروں، پیشانی پر (اور آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اپنی ناک کی طرف اشارہ فرمایا) اور دونوں ہاتھوں پر اور دونوں گھٹنوں پر اور دونوں قدموں کے

---

(1) صحيح البخاری، كتاب الأذان، باب السجود على الأنف، برقم الحديث: ۸۱۲، ۱/ ۱۹٤

(2) صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب أعضاء السجود والنهى عن كف الشعر... إلخ، برقم الحديث: ۲۳۰، ۱/ ۳٥٤

(3) سنن الدارمی، كتاب الصلاة، باب السجود على سبعة... إلخ، برقم الحديث: ۱۳۱۹، ۱/ ۲۱۹

کناروں پر اور یہ کہ کپڑوں اور بالوں کو سمیٹا نہ جائے۔

اِسی طرح ایک اور مقام پر امام مسلم اپنی سند سے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں:أُمِرَ النَّبِيُّ -صلی الله علیه واله وسلم- أَنْ يَسْجُدَ عَلَىٰ سَبْعَةٍ وَنُهِيَ أَنْ يَكُفَّ شَعْرَهُ وَثِيَابَهُ. ❶

یعنی:رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ وہ سات ہڈیوں پر سجدہ کریں اور اپنے بالوں اور کپڑوں کو نہ سمیٹیں۔

اور کپڑے کا چڑھانا، شلوار کا نیفے کی طرف سے گُھرسنا(موڑنا)، پائنچے کی طرف سے اندر یا باہر کی جانب موڑنا اِسی طرح آستین بھی آدھی کلائی سے زیادہ چڑھانا، یہ سب کفِ ثوب(کپڑے سمیٹنے) کی صُورتیں ہیں۔

لہٰذا مذکورہ احادیث سے فُقہائے کرام نے نماز میں کپڑے موڑنے کو مکروہِ تحریمی قرار دیا ہے۔

چنانچہ علّامہ محمد بن ابراہیم حلبی حنفی متوفی ۹۵۶ھ لکھتے ہیں:يُكره أن يكفّ ثَوبه وَهو فِي الصَّلاة أو يدخُل فيهَا وهومكفُوف كَمَا إذَا دخَل وهُو مشمّر الكَم أو الذَّيل.❷

ترجمہ:حالتِ نماز میں نمازی کو کپڑا لپیٹنا مکروہ ہے یونہی اگر وہ نماز

❶ صحيح مسلم،كتاب الصلاة،باب أعضاء السجود والنهى عن كف الشعر...إلخ ،برقم الحديث:٢٢٧،١ / ٣٥٤

❷ غنية المتملى شرح منية المصلى،مكروهات الصلاة،فصل:فيمايكره فعله فى الصلاة... إلخ،٢/ ٩٨

شروع ہی اِس انداز میں کرے کہ اُس نے کپڑا فولڈ کیا ہوا ہو، جیسا کہ جب کوئی یوں نماز شروع کرے کہ اُس کی آستین یا دامن چڑھا ہوا ہو۔

اور علّامہ محمد بن عبد اللہ بن احمد تمر تاشی حنفی متوفی ۱۰۰۴ھ اور علّامہ علاؤ الدین محمد بن علی حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں: (وَ) کُرِہ (کَفّہ) أي رَفعه ولو لتراب کمشمّرٍ کمّ أو ذَیل. (1)

یعنی: اور آستین یا دامن کو موڑنے کی طرح کپڑا سمیٹنا یعنی کپڑا اٹھانا مکروہ ہے اگرچہ مٹی سے بچانے کے لئے ہو۔

اِس کے تحت علّامہ سیّد محمد امین ابنِ عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں: وحرّر الخیر الرملّي ما یفید أنّ الکراھة فیه تحریمیة. (2)

یعنی: علّامہ خیر الدین رملی کی تحریر سے افادہ ہوتا ہے کہ اِس میں کراہت ، تحریمی ہے۔

اور یہ کراہت دورانِ نماز کپڑا موڑنے کی صُورت میں ہی نہیں بلکہ کوئی کپڑے فولڈ کر کے نماز میں داخل ہوا، تو بھی مکروہِ تحریمی ہے۔

جیسا کہ علّامہ شامی لکھتے ہیں: کما لَو دخَل فی الصّلاة وھُو مشمّر کمّه أو ذَیله و أشَار بذٰلك إلیٰ أنّ الکراھة لَا تَختصّ بِالکفّ وھُو فِی

---

(1) تنویر الأبصار مع شرحه للحصکفی، کتاب الصّلاة، باب ما یفسد الصلاة ... إلخ، ص ۸۷

(2) ردّ المحتار علی الدّرّ المختار، کتاب الصلاة، باب مایفسد الصلاة ومایکره، مطلب: فی الکراھة التحریمیة و التنزیهیة، تحت قوله: رفعه، ۲/ ۴۹۰

الصّلاۃ. ❶

یعنی: جیسا کہ اگر وہ نماز میں اپنی آستین یا دامن کو موڑے ہوئے داخل ہو اور اُس سے اِس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ کراہت نماز میں ہونے کی حالت میں کپڑا سمیٹنے کے ساتھ خاص نہیں۔

اور امام اہلسنّت امام احمد رضا خان حنفی متوفی ۱۳۴۰ھ سے جب کلائیوں سے اوپر آستین چڑھانے کے متعلق سوال ہوا، تو آپ نے جواب میں تحریر فرمایا: ضرور مکروہ ہے اور سخت وشدید مکروہ ہے...تمام متونِ مذہب میں ہے: "کُرِہ کفّ"..... لازم ہے کہ آستینیں اُتار کر نماز میں داخل ہو، اگرچہ رَکعت جاتی رہے اور اگر آستین چڑھی نماز پڑھے، تو اِعادہ کی جائے۔ ❷

اِسبال کا معنٰی ہے، کپڑے کا ٹخنے سے نیچے لٹکانا۔

چنانچہ علّامہ سیّد محمد مرتضٰی بن محمد حسینی زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں: (وَ)أسْبلَ (الْإزارَ) أرخاہ ... قال ابن الأعرابی و غیرُہ المُسبل الذی یطوّل ثوبہ و یُرسلہ إلی الأرض إذا مشٰی و إنما یفعل ذٰلکَ کِبراً واختیالًا. ❸

یعنی: اِسبال کا معنٰی یہ ہے کہ بندے کا اپنے اِزار (شلوار وغیرہ) کو گھٹنوں سے

---

❶ ردّ المحتار علی الدّرالمختار، کتاب الصلاۃ، باب مایفسد الصلاۃ و مایکرہ، مطلب: فی الکراھۃ التحریمیۃ و التنزیھیۃ، تحت قولہ: مشمّر کم أو ذَیل، ۲/ ۴۹۰

❷ فتاویٰ رضویہ، کتاب الصلاۃ، باب مکروہات الصلاۃ، ۷/ ۳۰۹۔۳۱۰۔۳۱۱

❸ تاج العروس، فصل السین المھملۃ مع اللام، ۲۹/ ۹۳

نیچے لٹکانا۔ علّامہ ابنِ اعرابی وغیرہ فرماتے ہیں کہ مُسبِل، وہ شخص ہے کہ جو اپنے کپڑے لمبے (سلواتا) ہے اور چلتے وقت زمین کی طرف چھوڑ دیتا ہے اور ایسا صرف وہ غُرور و تکبّر کی وجہ سے کرتا ہے۔

اور ایسے کپڑے کے بارے میں وعید آئی ہے کہ وہ آگ میں ہے۔

چنانچہ امام بخاری اپنی سند سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا أَسْفَلَ مِنَ الكَعْبَيْنِ مِنَ الإِزَارِ فَفِي النَّارِ. (1)

یعنی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: جو اِزار (تہبند، شلوار، پتلون) ٹخنوں سے نیچے ہو وہ آگ میں ہے۔

اور ایک جگہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لاَ يَنْظُرُ اللهُ يَوْمَ القِيَامَةِ إِلَى مَنْ جَرَّ إِزَارَهُ بَطَرًا. (2)

یعنی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اُس شخص کی طرف نظرِ رحمت نہیں فرمائے گا جو تکبر کی وجہ سے اپنا اِزار گھسیٹے۔

اور امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت

---

(1) صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب من أسفل من الکعبین... إلخ، برقم الحدیث: ٥٧٨٧، ٤/ ٤٠

(2) صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب من جر ثوبه من الخیلاء، برقم الحدیث: ٥٧٨٨، ٤/ ٤٠

کرتے ہیں:عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّه يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ قَالَ فَقَرَأَهَا رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم ثَلَاثَ مِرَارٍ.قَالَ أَبُوذَرٍّ خَابُوْا وَخَسِرُوْا.مَنْ هُمْ يَارَسُولَ الله؟قَالَ الْمُسْبِلُ وَ الْمَنَّانُ وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلَفِ الْكَاذِبِ. (1)

یعنی:رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: تین اشخاص ایسے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نہ اُن سے کلام فرمائے گا اور نہ اُن کی طرف نظر رحمت فرمائے گا اور نہ اُنہیں سُتھرا فرمائے گا اور اُن کے لئے دردناک عذاب ہے، حضرت ابوزر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے تین مرتبہ یہ بات دہرائی پھر ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ وہ محروم اور نقصان اُٹھانے والے ہوگئے، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم وہ کون ہیں؟ تو ارشاد فرمایا: ایک ٹخنوں سے نیچے تہبند لٹکانے والا، دوسرا اِحسان جتانے والا، تیسرا جھوٹی قسم کے ذریعہ اپنا سامان فروخت کرنے والا۔

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:قَالَ رَسُوْلُ الله صلى الله عليه وسلم مَنْ جَرَّثَوْبَهُ مِنَ الْخُيَلَاءِ لَمْ يَنْظُرِ اللهُ

---

(1) صحیح مسلم،کتاب الإیمان،باب بیان غلظ تحریم الإسبال ...إلخ ،برقم الحدیث: ۱۷۱، ۱/ ۱۰۲

إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. [1]

یعنی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے تکبر کی وجہ سے اپنا کپڑا گھسیٹا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اُس کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا۔

مذکورہ بالا احادیث میں کپڑا لٹکانے کی سخت وعیدیں آئی ہیں، یہ تمام وعیدیں اُس صورت میں ہیں جب کوئی ازراہِ تکبر کپڑا لٹکائے، اس کے لئے کپڑا لٹکانا مکروہِ تحریمی ہوگا اور جس شخص کی نیت تکبر کی نہ ہو اُس کا ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانا مکروہِ تنزیہی ہے یعنی شریعت اِس فعل کو پسند نہیں کرتی ہاں اِس حد نہیں کہ اِسے گناہ قرار دے۔

چنانچہ علامہ ابو الحسن علی بن خلف ابنِ بطال متوفی ۴۴۹ھ اِس کا افادہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: قَالَ أَبُو بَكْرٍ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ أَحَدَ شِقَّيْ إِزَارِي يَسْتَرْخِي إِلا أَنْ أَتَعَاهَدَ ذَلِكَ مِنْهُ، فَقَالَ عليه السَّلام: لَسْتَ مِمَّنْ يَصْنَعُهُ خُيَلاءَ ...و الخيلاء وَالمخيلة: التكبر فِي لِسَان العرب، وَفِي حَديث أَبِي بَكر بيان أَنْ سقط ثَوبه بغَير قَصده وَفِعله وَلم يقصد بذٰلِك الخُيلاء فإنّه لَا حَرجَ عليه فِي ذٰلك لقَولِه عليه السّلَام لِأَبِي

[1] صحيح مسلم، كتاب اللباس و الزينة، باب تحريم جر الثوب خيلاء ...إلخ، برقم الحديث: ٢٠٨٥، ٣/ ١٦٥١

بَکر:(لَسْتَ مِمَّنْ یَصْنَعُه خُیَلَاءُ) ❶

یعنی: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم میرے تہہ بند کا ایک حصّہ لٹک جاتا ہے سوائے یہ کہ میں اُس کی دیکھ بھال رکھوں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: تم اُن میں سے نہیں ہو جو تکبر سے ایسا کرتے ہیں اور "الخیلاء" اور "المخیلۃ"، کے "لسان العرب" میں "تکبر" کے معنی ہیں اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اِس کا بیان ہے کہ کپڑا جب اُس کے فعل اور قصد کے بغیر لٹکے اور تکبر کا قصد نہ ہو، تو اِس میں حرج نہیں؛ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ تم اُن میں سے نہیں ہو جو یہ تکبر سے کرتے ہیں۔

اور یہی مسئلہ فُقہائے کرام نے اپنی کُتب میں لکھا ہے۔

چنانچہ امامِ اہلسنّت تحریر فرماتے ہیں: ازار کا گٹوں (ٹخنوں) سے نیچے رکھنا اگر برائے تکبر ہو حرام ہے اور اِس صُورت میں نماز مکروہِ تحریمی ورنہ صرف مکروہ تنزیہی اور نماز میں بھی اِس کی غایت خلافِ اَولیٰ۔ ❷

اب رہا یہ مسئلہ کہ جس شخص کی پینٹ یا شلوار بڑی ہو کہ ٹخنوں سے نیچے لٹکی رہے وہ نماز پڑھنے کے لئے کیا کرے اگر فولڈ کرتا ہے، تو بھی نماز مکروہ اور ٹخنوں

---

❶ شرح ابن بطال، کتاب اللباس، باب قول اللہ تعالیٰ: قل من حرم زینۃ اللہ...إلخ، ۹/ ۷۸،۷۷

❷ فتاویٰ رضویہ، کتاب الصلاۃ، باب مکروہات الصلاۃ، ۷/ ۳۸۸

سے نیچے چھوڑتا ہے، تو بھی نماز مکروہ؟

اِس کا جواب بھی فقہائے ملّتِ اسلامیہ کے بیان کردہ اُصول سے ملتا ہے کہ جب دو مفسدات جمع ہو جائیں، تو چھوٹے کا ارتکاب کیا جائے اِسی طرح جب دو بلائیں جمع ہو جائیں، تو چھوٹی کو اختیار کرلینا چاہیے، مسئلۂ مذکورہ میں پائنچے یا پینٹ فولڈ کرنے کی صُورت میں نمازِ مکروہِ تحریمی ہے جب کہ ٹخنوں سے نیچے چھوڑنے کی صُورت میں نماز مکروہِ تنزیہی ہے اور مکروہِ تنزیہی چھوٹا ہوتا ہے، یہ خلافِ اَولیٰ ہے لیکن گُناہ نہیں لہذا مجبوراً اِسے اختیار کیا جائے گا۔

چنانچہ علّامہ زین الدین بن ابراہیم ابنِ نُجیم مصری حنفی متوفی ۹۷۰ھ لکھتے ہیں: مَنْ ابتُلِي ببَلِيتَيْن وهُما متَساوِيتَان يأخُذ بأيَّتِهمَاشَاءَوإِنْ اختَلفايختَار أهْوَنهُما۔ ❶

یعنی: جو شخص دو بلاؤں میں مبتلا ہو جائے اور وہ دونوں برابر ہوں، تو وہ جسے چاہے اختیار کرے اور اگر دو مختلف ہوں، تو کم درجہ والی کو اختیار کرے۔

اور علّامہ جلال الدین عبد الرحمن بن ابو بکر سیوطی شافعی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں: إذَا تعارض مفسدتَان روعي أعظمهما ضرراًبارتكاب أخفّهما. ❷

❶ الأشباه والنظائر، الفن الأول: القواعد الكلية، القاعدة الخامسة: الضرر يزال، الرابعة: إذاتعارض مفسدتان...إلخ، ۱/ ۸۷

❷ الأشباه والنظائر للسيوطي، الكتاب الأول، القاعدة الرابعة: إذاتعارض مفسدتان... إلخ، ۱/ ۸۷

یعنی: جب دو مفسدات متعارض ہو جائیں، تو چھوٹے کا ارتکاب کر کے نقصان کے اعتبار سے بڑے کی رعایت کی جائے گی۔

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

الجمعة، ۲۰ شعبان المعظم ۱٤۲٤ھ/ ۱۷اکتوبر ۲۰۰۳م JIA-549

## حنفی کا نماز میں شافعی امام کی اقتداء کرنا کیسا؟

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین و مُفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ صلاۃِ حنفی (حنفی کی نماز) شافعی امام کی اقتداء میں اَزروئے شرع جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا (سائل: عبد الحکیم از کراچی)

باسمہ تعالیٰ و تقدس الجواب مذہبِ حنفی کے پیروکار کو شافعی امام کی اقتداء کے حوالے سے کچھ صُورتیں ہیں جنہیں امامِ اہلسنت امام احمد رضا خان حنفی متوفی ۱۳۴۰ھ نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے:

(۱) مذہبِ حنفی کے پیروکار کو خاص اُس نماز میں معلوم ہے کہ امام نے کسی فرض یا شرطِ وُضو یا نماز یا امامت مذہبِ حنفی کے مطابق نہیں کی تو اُس صورت میں ایسے امام کی اقتداء ازروئے شرع امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقلّد کو روا (جائز) نہیں اور اُس کے پیچھے پڑھی گئی نماز محض باطل ہو گی۔

(۲) مذہبِ حنفی کے پیروکار کو خاص نماز کا حال تو معلوم نہ ہو مگر اُس کی عادت معلوم ہے کہ غالباً (اکثر) اُمور مذکورہ میں مذہبِ حنفی کی مراعات (رعایتیں) نہیں کرتا تو اُس کے خلف (پیچھے) نماز مکروہِ تحریمی ہے۔

(۳) مذہبِ حنفی کے پیروکار کو نہ تو خاص نماز کا حال معلوم ہے اور نہ ہی عادت

معلوم ہے تو اُس کی اقتداء حنفی فرد کے حق میں مکروہ ہے لیکن یہ بات ذہن نشین رہے کہ اَرجح قول کے مطابق اب حکم کراہتِ تحریمی نہیں ہو گا۔

(۴)مذہبِ حنفی کے مقلّد کو یہ معلوم ہے کہ شافعی ہمیشہ مراعات کا التزام کرتا ہے توصُورتِ سوم (تیسری صورت) سے حکم اَخفّ (ہلکا) ہے مگر ایک گونہ کراہت سے ہنوز (اب) بھی خالی نہیں۔

(۵)مذہبِ حنفی کے مقلّد کو خاص اُس نماز کا حال معلوم ہے کہ اُس (شافعی امام) نے جمیع اُمورِ مذکورہ کی رعایت کی ہے تو اب عندالجمہور کراہت اصلاً (بالکل) نہیں اگرچہ پہلے عادت عدمِ مراعات رکھتا ہو پھر بھی افضل یہی ہے کہ مل سکے تو موافق فی المذہب (ہم مذہب) کی اقتداء کرے۔ ❶

اور علّامہ علاء الدین محمد بن علی حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں: تُکرہ خَلف مُخالِف کشافعیّ لٰکن فی وِتر "البحر" ❷ وَإن تَیقَّن فی المراعاةِ لم یکرَه أوعدمَهالم یَصِحّ وإنْ شکَّ کُرِہ. ❸

یعنی: (مذہب کے) مخالف کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے جیسے شافعی لیکن "البحر الرائق" کے "باب الوتر" میں ہے۔ اگر یقین ہو کہ وہ (مقتدی کے مذہب کی) رعایت کرتا ہے تو پھر مکروہ نہیں یا رعایت نہ کرنے کا یقین ہو تو پھر اُس کی اقتداء صحیح نہیں اور اگر شک ہو تو مکروہ ہے۔

---

❶ فتاویٰ رضویہ، کتاب الصلاۃ، باب الامامۃ، ۶/ ۵۰۵

❷ البحر الرائق شرح کنز الدقائق، کتاب الصّلاة، باب الوتر والنفل ٤/ ٦٩

❸ الدّر المختار، کتاب الصلاة، باب الإمامة، تحت قوله: و ولدالزنا، ص ۷۷

اِسی طرح علّامہ نظام الدین حنفی متوفی ۱۰۹۲ھ اور عُلمائے ہند کی ایک جماعت نے لکھا ہے: وَالاقتِداء بشافعيّ المذهب إنّما يصِحُ إذاكانَ الإمامُ يتحامى موَاضِع الخلافِ. ❶

یعنی: شافعی المذہب امام کی اقتداء کرنا (حنفی کے لئے) اُس وقت درست ہے جب شافعی امام مواضعِ اختلاف میں (حنفیوں کی) رعایت کرتا ہو۔

اور علّامہ سیّد محمد امین ابنِ عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں: قالَ كثيرٌ مِن المشايخ: إنْ كانَ عادتُه مراعاةَ مواضِعِ الخلافِ جازَ وإلّا فَلا. ❷

یعنی: کثیر مشائخ نے فرمایا کہ اختلاف کی جگہوں میں رعایت کرنا اُس (شافعی امام) کی عادت ہو، تو اُس کی اقتداء جائز ہے ورنہ نہیں۔

اور علّامہ علی بن سلطان قاری حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ نے اِس بارے میں ایک رسالہ تحریر فرمایا جس کے آخر میں خُلاصہ بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: خُلاصة الرّسَالة وزُبدة المقَالة: أنّه يجوز الاقتدَاء بالشّافِعی إذالم يعلم يقيناًمنْه العَمل المنَافی للصّلاة مِن غيركرَاهة بالاجمَاع من عُمدة أرباب النُّقول وزُبدة أصحاب العُقول وأنّ الأفضل هُوالاقتِداء بالموافِق سواءتقدّم أوتأخّرعلیٰ مااستَحسنه عامّة المسلمين وعَمل به جُمهورالمؤمِنين مِن أهل الحرَمين الشّريفَين و القُدس ومِصروالشّام

❶ الفتاویٰ الهندية، كتاب الصّلاة، الباب الخامس فی الإمامة، الفصل الثالث فی بيان من يصلح إمام الغيره، ۱/ ۸٤

❷ ردّالمحتار، كتاب الصّلاة، مطلب: فی إمامة الأمرد، تحت قوله: لكن فی وتر البحر، ۲/ ۳٦۱

وغَیرِهامن بِلاد الإسلام ولَاعبرۃَ مَن شذّمنهم وَانفرَدعَنهم.❶

یعنی: رسالہ کا خلاصہ اور مقالہ کا نچوڑ یہ ہے کہ بغیر کسی کراہت کے، اربابِ نُقول اور اصحابِ عُقول کے اجماع سے شافعی کی اقتداء کرنا جائز ہے جب کہ یقینی طور پر معلوم نہ ہو کہ وہ کوئی عمل (حنفیوں کے مطابق) منافیِ نماز کرتا ہے جب کہ افضل موافقِ مذہب کی اقتداء کرنا ہے خواہ پہلے ہو یا بعد میں ہو جیسا کہ جمہور مسلمانوں نے اِسے مستحسن جانا اور اِسی پر جمہور مؤمنین کا عمل ہے جیسے حرمَین شریفَین، قدس، مصر وشام وغیرہا بلادِ اسلام کے رہنے والے اور جو اِن سے دُور ہوا اور علیحدہ ہوا اُس کا کوئی اعتبار نہیں۔

اور رعایت سے مراد فرائض میں رعایت ہے اگرچہ واجبات وسُنن میں رعایت نہ کرتا ہو۔

چنانچہ علّامہ شامی لکھتے ہیں: المراعاۃفی الفَرائض مِن شُروط وأركانٍ فِي تلكَ الصّلاۃوإن لَم یراعِ الواجِباتِ و السُّنن.❷

یعنی: فرائض میں رعایت کرتا ہو یعنی نماز کی شرائط اور ارکان میں اگرچہ واجبات وسُنن میں نہ کرے۔

اور آخر میں ایک بات ذہن نشین رہے کہ مندرجہ بالا جو صُورتیں بیان کی گئی ہیں وہ صرف اور صرف شافعی امام کے ساتھ ہی مختص نہیں ہیں بلکہ مذہبِ حنفی کا مقلِّد

---

❶ مجموع رسائل العلّامةالملّاعلی القاری، الرسالة: الاهتداءفی الاقتداء، ۳/ ۳۵۰

❷ ردّ المحتار علی الدّرالمختار، کتاب الصلاۃ، مطلب فی إمامة الأمرد، تحت قوله: إن تیقن المراعاۃلم یکره... إلخ، ۲/ ۳۶۱

مذاہبِ اربعہ حقّہ سے کسی دوسرے مذہب سے وابستہ امام کی اقتداء چاہتا ہے، تو انہی تمام صُورتوں کو ملحوظِ خاطر رکھا جائے گا۔

واللہ تعالی أعلم بالصواب

JIA-1279

## مسجد میں اذان دینا کیسا ہے؟

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین و مُفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ اذان داخلِ مسجد دینے کا حکم کیا ہے؟

(سائل: محمد عرفان وقاری، اولڈ ٹاؤن، کراچی)

باسمہ تعالیٰ وتقدّس الجواب: اذان داخلِ مسجد دینا بدعتِ سیّئہ ہے؛ کیونکہ زمانہ ٔنبویہ علیٰ صاحبہا الصّلاۃ والتسلیم اور زمانہ ٔخلفائے راشدین میں اذان مسجد سے باہر دی جاتی تھی اور حکم تھا کہ اذان مسجد سے باہر دی جائے۔ مسجد میں اذان دینے کے بارے میں کُتُبِ احادیث سے ایک حرف بھی ثابت نہیں پھر ہشام بن عبد الملک جو ایک ظالم اور جابر شخص تھا اُس نے جمعہ کی پہلی اذان کو مسجد کی طرف منتقل کر کے اِس بدعت کا آغاز کیا، لہٰذا مسجد میں اذان نہ دی جائے۔

چنانچہ اور علّامہ افتخار الدین طاہر بن عبد الرشید بخاری حنفی متوفی ۵۴۲ھ [1] لکھتے ہیں اور اُن کے حوالے سے علّامہ زین الدین بن ابراہیم ابنِ نجیم مصری حنفی متوفی ۹۷۰ھ [2] لکھتے ہیں: و لا یُؤذّن فِی المسجِد.

---

[1] خُلاصۃ الفتاویٰ، کتاب الصلاۃ، الفصل الأوّل فی الأذان، ۱/ ۴۹

[2] البحر الرائق شرح کنز الدقائق، کتاب الصلاۃ، باب الأذان، تحت قولہ: باب الأذان، ۱/ ۴۴۴

یعنی: اور مسجد میں اذان نہیں دی جائے گی۔

اور علّامہ حسن بن منصور اوزجندی حنفی متوفی ۵۹۲ھ ❶ لکھتے ہیں اور علّامہ کمال الدین محمد بن عبدالواحد ابنِ ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ ❷ لکھتے ہیں: ولا یؤذّن فی المسجد.

یعنی: اور مسجد میں اذان نہیں دی جائے گی۔

اورامام شمس الدین محمد خراسانی قہستانی حنفی متوفی ۹۵۰/ ۹۶۲ لکھتے ہیں: ولَا یُؤذّن فِی الْمَسجِد. ❸

یعنی: اور مسجد میں اذان نہیں دی جائے گی۔

علّامہ سیّد احمد بن محمد بن اسماعیل طحطاوی حنفی متوفی ۱۲۳۱ھ لکھتے ہیں: و یُکرَہ أن یؤذّن فِی المسجِد. ❹

یعنی: مسجد میں اذان دینا مکروہ ہے۔

اور مسجد میں اذان دینا مکروہِ تحریمی وناجائز ہے؛ کیونکہ فُقہائے کرام نے داخلِ مسجد اذان سے بصیغۂ نفی، منع فرمایا ہے اور کراہتِ مطلقہ سے غالباً کراہتِ تحریمہ مراد ہوتی ہے۔

چنانچہ امامِ اہلسنّت امام احمد رضاخان حنفی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں: صیغہ "لا

---

❶ فتاویٰ قاضیخان علی هامش الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاة، مسائل الأذان، ۱/ ۷۸

❷ فتح القدیر، کتاب الصلاة، باب الأذان، تحت قوله: والمکان فی مسئلتنا مختلف، ۱/ ۲۱۵

❸ جامع الرموز، کتاب الصلاة، فصل الأذان، ۱/ ۱۲۳

❹ حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب الأذان، تحت قوله: و یستدیر فی صومعته، ص ۱۹۷

یفعل" سے متبادر کراہتِ تحریم ہے کہ فُقہائے کرام کی یہ عبارت ظاہراً مشیر ممانعت (ممانعت کی جانب اشارہ کرنے والی) وعدمِ اباحت ہوتی ہے۔ نظیر اِس کی "یفعل و یقول" ہے کہ ظاہراً مفیدِ وُجوب ہے یوں ہی عبارتِ نظم میں لفظ "یکرہ" کہ غالباً کراہتِ مطلقہ سے کراہتِ تحریمی مراد ہوتی ہے۔ (1)

اِسی طرح ایک اور مقام پر امامِ اہلسنت لکھتے ہیں: فقہائے کرام نے مسجد میں اذان دینے سے بصیغۂ نفی، منع فرمایا کہ صیغہ نہی سے زیادہ مؤکد ہے.... اور فقہاء کا یہ صیغہ غالباً اِس کے ناجائز ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ (2)

اور تمام اذانوں کا یہی حکم ہے، چاہے پنچگانہ نمازوں کی اذان ہو یا جمعہ کی پہلی یا دوسری اذان۔

والله تعالی أعلم بالصواب

الأربعاء ٢٥ جمادی الاخریٰ ١٤٢٣ھ، ٤ ستمبر ٢٠٠٢م        JIA-309

## فرض نمازوں کے بعد ذکر بالجہر کی حد

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین و مُفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ بیشتر مساجد میں فرض نماز کے فوراً بعد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا تین مرتبہ بلند آواز میں ذکر ہوتا ہے اور اُسکے بعد دعا مانگی جاتی ہے۔ مسجد فاروق حنفی بریلوی ٹرسٹ، لانڈھی نمبر ٦ میں بھی یہی ذِکر ایک ڈیڑھ سال سے ہو رہا ہے۔ کچھ لوگوں نے

---

(1) فتاویٰ رضویہ، کتاب الصلوۃ، باب الأذان والإقامہ، ٥/ ٣٦٢

(2) فتاویٰ رضویہ، کتاب الصلوۃ، باب الاذان والاقامہ، ٥/ ٤١٢

اعتراض اُٹھایا ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے اِس سے دوسرے نمازی جن کی ایک دو رکعتیں رہ جاتی ہیں، اُنہیں بہت تکلیف ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ کئی مرتبہ بحث و تکرار ہو چکی ہے۔ آئے دن کوئی نئی بحث سامنے آتی ہے، دو تین نمازی بہت زیادہ آواز میں یہی ذکر کرتے ہیں، جس کے بعد تکرار شروع ہو جاتی ہے۔

جنابِ عالی! میں اہلِ محلّہ کے نمازی کی حیثیت سے آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ اِس مسئلہ کا جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں فتویٰ کی صُورت میں فوراً جاری فرمادیں تاکہ آئے دن کی بحث و تکرار سے نجات حاصل ہو سکے اور مسجد میں پُر امن طور پر نمازی نماز پڑھ سکیں نیز بہت زیادہ بُلند آواز میں ذکر کرنے والوں کا کیا حکم ہے؟

(سائل: محمد نعیم خان، ایریا4/C،2/6،لانڈھی نمبر۲، کراچی)

باسمه تعالیٰ وتقدّس الجواب: نماز کے بعد ذِکر بالجہر (بلند آواز سے ذکر کرنا) جائز و مستحسن ہے، اِس میں سب عُلماء کا اتفاق ہے اور اِس کے فضائل احادیث میں وارد ہیں۔

چنانچہ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ اِنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ مَلَاءٍ ذَکَرْتُهٗ فِیْ مَلَاءٍ خَیْرٍ مِنْهُمْ. (1)

---

(1) صحیح البخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ: ﴿وَیُحَذِّرُکُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ﴾، برقم الحدیث: ۷۴۰۵، ۴/ ۴۴۵

یعنی: اگر میرا بندہ مجھے محفل میں یاد کرتا ہے تو میں اُسے اُس سے بہتر محفل میں یاد کرتا ہوں۔

اور بالخصوص فرض نمازوں کے بعد کلمہ طیبہ پڑھنے کی حدیث شریف میں تو بشارت آئی ہے۔

چنانچہ علّامہ مخدوم عبد الواحد سیوستانی حنفی متوفی ۱۲۲۴ھ حدیث شریف نقل کرتے ہیں: قال فی "فتوح الأوارد" قال النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم: مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ بَعْدَ كُلِّ فَرِيْضَةٍ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِ النَّارَ بِالْمَرَّةِ الْأُوْلٰى وَ أَعْطَاهُ الْجَنَّةَ بِالْمَرَّةِ الثَّانِيَةِ وَ أَنْعَمَهُ بِنِعْمَةِ الْجَمَالِ بِالْمَرَّةِ الثَّالِثَةِ. (1)

یعنی: "فتوح الاوراد" میں ہے جو کوئی نماز کے بعد تین مرتبہ کلمہ طیبہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ پڑھتا ہے تو پہلی مرتبہ پڑھنے پر اللہ تعالیٰ اُس پر جہنم حرام کر دیتا ہے دوسری مرتبہ پڑھنے پر اللہ تعالیٰ اُس کو جنت عطا فرماتا ہے اور تیسری مرتبہ پڑھنے پر اللہ تعالیٰ اُس کو اچھی نعمتیں عطا فرماتا ہے۔

اِسی وجہ سے عُلماء وفُقہائے کرام نے اِسے جائز قرار دیا ہے۔

چنانچہ مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد وقار الدین حنفی متوفی ۱۴۱۳ھ لکھتے ہیں: ہمیشہ سے عُلماء کا اِس پر اتفاق رہا ہے کہ مسجد میں اجتماعی طور پر ذکر بالجہر جائز

(1) فتاویٰ واحدی، کتاب الصّلاۃ، فصل فی القراءۃ و التراویح و الأذکار و السنن، ۱/۱۵۱

ہے۔ 1

لہٰذا فرائض کے بعد اجتماعی ذکر کے جواز میں کوئی شبہ نہیں ہاں اِس بات کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ جہر اِس شدّت کا نہ ہو کہ نماز پڑھنے والوں کی نماز میں خلل کا باعث بنے۔

چنانچہ علّامہ سیّد محمد امین ابنِ عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں: و فی "حاشیۃ الحموی" 2 :أجمَع الْعُلماء سلفاً و خلفاً علیٰ استحبابِ ذکرِ الْجَماعۃِ فی المساجِد و غیرِھا إلا أن یُشوّش جَھرَھم علیٰ نائمٍ أو مصلٍّ أو قارئ. 3

یعنی: "حاشیۃ الحموی" میں ہے کہ پہلے اور بعد کے عُلماء کا اِس بات پر اتفاق ہے کہ مساجد وغیرہ میں جماعت کے ساتھ ذکر کرنا مستحب ہے مگر اِس صُورت میں کہ جب اُن کے ذکر سے سونے والے، نماز پڑھنے والے اور قرآن کی تلاوت کرنے والوں کے معاملات میں خلل واقع نہ ہو۔

اور مفتیِ اعظم پاکستان لکھتے ہیں: ذکر بالجہر کرنے والے کو یہ خیال رکھنا چاہئے کہ کسی نماز پڑھنے والے، تلاوت کرنے یا سونے والے کو اُن کے جہر سے تشویش و پریشانی نہ ہو، لہٰذا نمازیوں میں جب کوئی مسبوق بھی ہو، تو جہر میں زیادتی (شدت) نہ

---

1 وقار الفتاویٰ، کتاب الصلاۃ، دعا کا بیان، فرض نماز کے بعد ذکر بالجہر..... اِلخ، ۲/۱۲۸

2 شرح الحموی علی الأشباہ والنظائر، الفن الثالث: وھو فن الجمع والفرق، القول فی أحکام المسجد، تحت قولہ: رفع الصوت بالذکر، ۳/ ۱۹۱

3 ردّ المحتار علی الدّر المختار، کتاب الصلاۃ، باب ما یفسد الصلاۃ و ما یکرہ فیھا، مطلب: فی رفع الصوت بالذکر، تحت قولہ: و رفع الصوت بذکر، ۲/ ۵۲۴، ۵۲۵

کریں۔ (1)

لہٰذا بہت زیادہ آواز میں ذِکر کرنے والوں کو سمجھایا جائے اور ذِکر سے بالکل نہ روکا جائے کہ مساجد ذِکر الٰہی کے لئے بنائی گئی ہیں اور ان میں ذکر سے روکنے والے قرآنِ مجید کی اِس وعید میں داخل ہیں: ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِیْ خَرَابِهَا﴾ (2)

ترجمہ: اور اُس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو روکے اُن میں نامِ خدا لیے جانے سے اور اُن کی ویرانی میں کوشش کرے۔ (کنز الایمان)

واللہ أعلم بالصواب

JIA-328

## حالتِ روزہ میں بدکاری کا حکم

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین و مُفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ روزے کی حالت میں زید نے ہندہ سے زنا کیا تو اُن دونوں پر شریعت کا کیا حکم ہے برائے مہربانی بحوالہ جواب عنایت فرمائیں؟ (سائل: ابراہیم رضا از ممبئی، انڈیا)

باسمه تعالیٰ وتقدّس الجواب: زنا خود بہت بڑا گناہ، حرام قطعی ہے، روزے کی حالت میں تو اشدّ اشدّ حرام ہے۔ روزہ نام ہی صبح سے غروب آفتاب تک خود کو کھانے پینے اور جماع سے روکنے کا ہے۔

چنانچہ امام ابو البرکات عبد اللہ بن احمد نسفی حنفی متوفی ۷۱۰ھ لکھتے ہیں: هُوَ تَرکُ

---

(1) وقار الفتاویٰ، کتاب الصلاۃ، دعا کا بیان، فرض نماز کے بعد ذکر بالجہر... الخ، ۲/۱۲۹

(2) البقرۃ: ۲/ ۱۱۴

الأكل وَالشّرب والجمَاعِ من الصُبحِ إلىٰ الغرُوب بنيّة منْ أهلِه. (1)

یعنی: روزہ، کھانا، پینااور جماع کو ترک کرنا ہے صبح سے مغرب تک، اُس کے اہل کی نیت کے ساتھ۔

اور ایسے شخص نے روزے کی حقیقت کو ہی نہ جانا کہ روزے کی حقیقت شہوات سے بچنا ہے۔(2)

اور مذکورہ صُورت میں اگر وہ روزہ رمضان شریف کی ادا کا تھا، تو دونوں پر روزہ کی قضاء اور کفارہ لازم آئے گا۔

چنانچہ ابوالفضل مجدالدین عبداللہ بن محمود موصلی حنفی متوفی ۶۸۳ھ لکھتے ہیں: (وَمن جامَع أوْ جومِع فِي أحد السبيلَين عامداً أوْ أكل أو شُرب عَامداً غذاء أو دَواء وهُو صائِم فِي رمَضان عليه القضَاء و الكفّارة مِثل المظاهر) ولَا خلاف فِي وُجوب القضاء ووُجوب الكفّارة بالجماع للإجمَاع...وأمّا المرأة فيجِب علَيها إذا كانتْ مطاوَعة لعُمومِ الحديث الثّاني. وَلأنّ هٰذا الفِعل يقُوم بهما، فَيجِب علَيْها مَا يجب علَيه كَالغُسلِ و الحَد. (3)

---

(1) كنزالدقائق، كتاب الصوم، ص ۲۱۹

(2) چنانچہ علامہ قاضی عبیداللہ بن عمر بن عیسیٰ دبوسی حنفی متوفی ۴۳۰ھ لکھتے ہیں: وفعل الصّوم حفظه نفسه عن اقتضاءالشّهوات حقيقيةً.(الأسرارفي مسائل الخلاف، كتاب الصوم، فصل الشرط الذى اختلف فيه، ۲/ ۴۰۰. ۴۰۱، مكتبة الإمام الذهبي، سعودية، الطبعة الأولىٰ ۱۴۴۵ھ. ۲۰۲۳م)

یعنی: روزے کا فعل، حقیقت میں اپنے نفس کو شہوات سے بچاناہے۔

(3) الإختيارلتعليل المختار، كتاب الصوم، فصل من أفطر عامدافي رمضان، ۱/ ۱۳۱

یعنی: اور جس نے جان بوجھ کر جماع کیا یا اُس کے ساتھ سبیلَین میں سے کسی ایک میں جماع کیا گیا یا اُس نے بطورِ غذا یا دواء عمداً کھایا، پیا حالانکہ وہ رمضان کے روزے سے تھا، تو اُس پر قضاء لازم ہے اور کفارہ، کفّارۂ ظہار کی مثل واجب ہے اور جماع سے قضا اور کفّارہ کے وُجوب میں بالاجماع کوئی اختلاف نہیں ہے اور عورت پر بھی کفارہ واجب ہو گا جب کہ وہ اِس پر راضی ہو دوسری حدیث کے عموم کی وجہ سے اور اِس وجہ سے کہ یہ فعل دونوں کے ساتھ قائم ہے لہذا عورت پر بھی وہ واجب ہو گا جو مرد پر واجب ہوا جیسے غسل اور حد۔

اور علّامہ نظام الدین حنفی متوفی ۱۰۹۲ھ اور عُلمائے ہند کی ایک جماعت نے لکھا ہے: مَن جامع عمَداً في أحد السَبيلَين فعَليه القَضاء والكفّارة.❶

یعنی: جس نے روزے میں جان بوجھ کر سبیلَین میں سے ایک میں جماع کیا تو اُس پر قضاء اور کفّارہ دونوں لازم ہیں۔

اور رمضان کے روزہ کا کفّارہ، مثلِ کفّارۂ ظہار ہے۔

چنانچہ علّامہ قدوری اور علّامہ ابو بکر بن علی بن محمد حدّاد زبیدی حنفی متوفی ۸۰۰ھ لکھتے ہیں: (وَالكفّارَة مثلُ كفارة الظِّهار) أحَال علىٰ الظِهار ولم يُبيِّنه لأنّ كفّارة الظهارِ مَنصوصٌ علَيْها في القُرآن.❷

یعنی: (روزے کا) کفارہ، ظہار کے کفارے کی مثل ہے، کفارۂ صوم کو کفارۂ ظہار

❶ الفتاوىٰ الهنديّة، كتاب الصّوم، الباب الرّابع فيمايفسدوَلا يفسد، النّوع الثّاني: مايوجب القضاء والكفّارة، ١/ ٢٠٥

❷ مختصر القدوري وشرحه السّراج الوهّاج، كتاب الصوم، ق ١٤٣/ الف، مخطوط مصوّر

پر دائر کیا ہے اور اِس کو بیان نہیں فرمایا؛ کیونکہ کفارۂ ظہار پر قرآن میں نص موجود ہے۔

اور کفارۂ ظہار کے بارے میں اللہ پاک قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے: فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ شَهْرَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا. [1]

ترجمہ: پھر جسے بردہ (غلام) نہ ملے تو لگاتار دو مہینے کے روزے قبل اِس کے کہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں (کنز الایمان)

**یعنی دو ماہ لگاتار روزے رکھنے ہوں گے اِس طرح کہ اِس کے درمیان کوئی ناغہ نہ ہو اگر ایک بھی ناغہ ہوا، تو نئے سرے سے روزے رکھنے ہوں گے اِسی وجہ سے یہ بھی لازم ہے کہ ایسے ایام میں کفارہ کے روزے رکھے کہ درمیان میں عید الفطر، عید الاضحیٰ یا ذی الحجہ کی ۱۱، ۱۲، ۱۳، تاریخ نہ ہو اور کفارہ کے علاوہ ایک روزہ مزید قضاء کی نیت سے رکھنا ہوگا اور اگر وہ روزہ رمضان کی قضاء یا نفل کا تھا، تو دونوں پر صرف ایک روزہ کی قضاء لازم ہوگی۔**

چنانچہ اِسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں فقیہِ ملّت مفتی محمد جلال الدین احمد امجدی حنفی متوفی ۱۴۲۲ھ لکھتے ہیں: روزہ کی حالت میں زنا 'معاذ اللہ، استغفر اللہ' اگر حکومتِ اسلامیہ ہوتی تو ایسے لوگوں کو بہت سخت سزا دی جاتی، موجودہ صورت میں یہ حکم ہے کہ اگر عام لوگوں پر ظاہر ہو گیا تو اُن دونوں کو علانیہ توبہ و استغفار کرایا جائے

---

[1] المجادلة: ٥٨/ ٤

ورنہ جن لوگوں پر ظاہر ہوا صرف اُنہیں لوگوں کے سامنے توبہ واستغفار کرایا جائے اور قرآن خوانی ومیلاد کرنے، غرباء ومساکین کو کھانا کھلانے اور مسجد میں لوٹا، چٹائی رکھنے کی تلقین کی جائے کہ یہ چیزیں قبول توبہ میں معاون ہوتی ہیں۔قال اللہ تعالیٰ: وَمَنْ تَابَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا. ❶ ترجمہ: اور جو توبہ کرے اور اچھا کام کرے تو وہ اللہ کی طرف رجوع لایا جیسی چاہیے تھی۔ (کنز الایمان) **پھر اگر ماہِ رمضان کے ادا روزہ میں ایسا ہوا تو روزہ توڑنے کے کفارہ میں دونوں ساٹھ ساٹھ روزے مسلسل رکھیں۔ اگر عُذر یا بغیر عُذر کے ایک روزہ بھی درمیان میں چھوٹ گیا، تو ساٹھ روزے پھر سے رکھنا پڑے گا اور یہ بھی ضروری ہے کہ روزہ کا کفارہ اُن دِنوں میں رکھے کہ شروع یا درمیان میں عید الفطر، عید الاضحیٰ اور ذی الحجہ کی ۱۱، ۱۲، ۱۳ تاریخیں نہ ہوں اور کفارہ کا ساٹھ (۶۰) ساٹھ (۶۰) روزہ رکھنے کے ساتھ ساتھ ان دونوں پر ماہِ رمضان کے ایک ایک روزے کی قضا بھی فرض ہے۔**۔۔۔اور جس روزے میں یہ گناہ سرزد ہوا اگر وہ روزہ رمضان شریف کی قضا کا تھا یا نفلی تھا تو اِن صُورتوں میں صرف ایک ایک روزہ قضا کی نیت سے رکھنا ضروری ہے۔ ❷

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

یوم الاثنین، ۱۲ رمضان المبارک ۱۴۳۹ھ، ۲۸ مئی ۲۰۱۸ م JIA-1285

## زکوٰۃ کا حیلہ کب درست ہے؟

---

❶ الفرقان: ۲۵/ ۷۱

❷ فتاویٰ فقیہ ملت، کتاب الصوم، ۱/ ۳۳۳

الاستفتاء: کیافرماتے ہیں عُلمائے دین و مُفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ مساجد میں جو دس روزہ سنتِ اعتکاف ہوتا ہے، اُس میں معتکف کے لئے پر تکلّف و مرغّن سَحری وافطاری کے لئے مخیّر حضرات سے چندہ، زکوٰۃ وغیرہ حیلہ کے بعد استعمال کرنا جائز ہے؟ جبکہ بعض مساجد میں بعض معتکفین زکوٰۃ کے مستحق ہوتے ہیں یعنی شرعی فقیر اور بعض مساجد میں تمام کے تمام معتکفین غنی زکوٰۃ دینے والے اور اِس کا بہتر حل کیاہے؟ مدلّل و مفصّل جواب مرحمت فرمائیں۔

(سائل: حافظ محمد عبد الکریم قادری رضوی، سبز واری پبلشرز، کھارادر، کراچی)

باسمه تعالیٰ وتقدّس الجواب: حیلہ صرف اُس جگہ کرنا چاہئے جہاں اُس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اور کوئی راستہ نہ ہو جیسے کسی سیّد صاحب کو جو کہ مفلس ہوں اور اُن کے ساتھ تعاون کی کوئی سبیل نہ ہو تو زکوٰۃ کی رقم حیلہ کرکے اُن کے ساتھ تعاون کر دیا جائے؛ کیونکہ حیلہ صرف اُس صُورت میں جائز ہے جب کسی شخص کو حرام سے بچانا یا حلال کو پہنچانا مقصود ہو۔

چنانچہ علّامہ نظام الدین حنفی متوفی ۱۰۹۲ھ اور عُلمائے ہند کی ایک جماعت نے لکھاہے: كُلّ حِيلة يحتالُ بها الرّجل ليتخلّص بِها عنْ حَرام أو ليتّصل بهَا إلىٰ حلَال فهِي حسَنةٌ. (1)

یعنی: ہر وہ حیلہ جس کے ذریعہ کسی شخص کو حرام سے بچایا جائے یا حلال تک

---

(1) الفتاویٰ الهندية، كتاب الحيل، الفصل الأوّل في بيان جواز الحيل و عدم جوازها، ٦/ ٣٩٠

پہنچا جائے وہ اچھا ہے۔

اور صُورتِ مسئولہ میں ایسا نہیں کہ جس کے لئے حیلہ ناگزیر ہو اور دیگر ذرائع عطیات مفقود؛ کیونکہ آپ خود سوال میں لکھ رہے ہیں کہ **"مخیّر حضرات سے چندہ"**، ہاں البتہ زکوٰۃ کا پیسہ حیلہ کرکے اُس میں استعمال کیا گیا تو ہرگز جائز نہیں۔ اگر ایسا ہو تو لوگ اپنی زکوٰۃ کی رقم حیلہ کروا کر خود ہی کھاتے جائیں گے۔

لہٰذا معتکفین میں سے جو صاحبِ حیثیت ہیں یعنی مستحقِ زکوٰۃ نہیں اُنہیں زکوٰۃ کی رقم سے سَحری یا افطاری کروانا شرعاً جائز نہیں۔

اِسی طرح جو شرعی فقیر نہیں اُن کے لئے زکوٰۃ کی رقم حیلہ کروا کر سَحری و افطار کا انتظام بھی درست نہیں کہ اِس سے زکوٰۃ کی رقم، زکوٰۃ دینے والوں پر ہی خرچ ہونا شروع ہوجائے گی اور مستحق محروم رہ جائیں گے۔

چنانچہ علّامہ احمد بن محمد حموی مصری حنفی متوفی ۱۰۹۸ھ لکھتے ہیں: مذهب عُلمائنا أنّ كل حيلة يحتال بها الرجل لإبطال حقّ الغير أو لإدخال شُبهة فيه فهي مكروهة يعني تحريماً. (1)

یعنی: ہمارے عُلمائے کرام کا مذہب یہ ہے کہ ہر وہ حیلہ جو کسی کا حق مارنے یا اُس میں شبہ داخل کرنے کے لئے ہو، وہ مکروہ ہے یعنی مکروہِ تحریمی ہے۔

اور امامِ اہلسنت امام احمد رضا خان حنفی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں: اغنیائے

---

(1) غمز عيون البصائر شرح الأشباه والنظائر، الفن الخامس من الأشباه و النظائر وهو فن الحيل، الفصل الأول في الصلاة

کثیر المال شکر نعمت بجالائیں۔ ہزاروں روپے فضول خواہش یا دنیوی آسائش یا ظاہری آرائش میں اُٹھانے والے مصارفِ خیر میں حیلوں کی آڑ نہ لیں۔ ❶

اور فقیہِ ملّت مفتی جلال الدین احمد امجدی حنفی متوفی ۱۴۲۲ھ لکھتے ہیں: سرمایہ داروں کو ہر دینی کام کے لئے حیلہ شرعی کی اجازت نہیں بلکہ جب اللہ تعالیٰ نے اُنہیں کثیر دولت سے نوازا ہے، تو ڈھائی فیصد کو غُرباء و مساکین کا حق ہے وہ اُسے اِن لوگوں تک پہنچے دیں اور ساڑھے ستانوے فیصد جو زکوۃ دینے والوں کے پاس بچتا ہے اِس طرح کے کام اُسی سے کریں اور غریبوں کا حق نہ ماریں۔ ❷

اور مفتی خلیل خان برکاتی حنفی متوفی ۱۴۰۵ھ لکھتے ہیں: ہر وہ حیلہ جس کی رُو سے کسی مستحق کی حق تلفی ہو یا اُس میں حق تلفی کی بُو پائی جائے یا اُس سے مقصود تموّل ہو، وہ مکروہِ تحریمہ، قریب حرام ہے اور ناجائز۔ ❸

اور اِس حکم کی وجہ یہ ہے کہ اِس طرح فُقراء کو نقصان پہنچے گا اور وہ محروم رہ جائیں گے۔

چنانچہ علّامہ نظام الدین اور عُلمائے ہند کی ایک جماعت نے لکھا ہے: یفعل هٰكذا فيؤدّي إلى إلحاقِ الضّرر بالفُقراء. ❹

---

❶ فتاویٰ رضویہ، کتاب الزکوۃ، ۱۰/۱۰۹

❷ فتاویٰ فقیہ ملّت، کتاب الزکوۃ، ۱/۳۰۵

❸ فتاویٰ خلیلیہ، کتاب الزکوۃ، ۱/۴۴۱

❹ الفتاوىٰ الهندية، كتاب الحيل، الفصل الثالث فی مسائل الزكاة، ٦/ ٣٩١

یعنی: ایسا کرنے میں مستحقینِ زکوٰۃ کو ضرر پہنچے گا۔

ہاں اگر شرعی فقیر کو زکوٰۃ دی جاتی ہے، وہ اُس سے اپنی ضرورت پوری کرے اور کچھ رقم اِس طرح غیر مستحق معتکفین پر خرچ کردے، تو دُرست ہے مگر اُس کے لئے بھی مناسب یہی ہے کہ اُس رقم سے اپنی ضرورت کو پورا کرنے کے بعد بجائے زکوٰۃ ادا کرنے والوں پر خرچ کرنے کے کسی اور مستحق کو دے دے۔

معتکفین کی سَحری و افطاری کا بہتر و آسان طریقہ یہی ہے کہ ہر معتکف اپنے گھر سے کھانا منگوائے اگر کسی کا گھر دور ہو تو کوئی اور بندوبست کرے اور معتکفین میں جو مستحقِ زکوٰۃ ہیں وہ اگر اپنے گھر سے کھانا منگواتے ہیں، تو صحیح ورنہ اُن کو صاحبِ حیثیت افراد اپنے ساتھ کھلائیں یا زکوٰۃ کی رقم سے اُن کے لئے بندوبست کریں۔

اور پھر سَحری و افطاری اجتماعی طور پر بیٹھ کر کرنا چاہیں، تو جس کے گھر سے جو آیا، اُس کو ایک جگہ جمع کرکے اکٹھے کھلائیں۔ اگر ایک ہی چیز منگوانی ہو، تو صاحبِ حیثیت و معتکف پیسے جمع کرکے منگوالیں، جو سب کے لئے کافی ہو یا اگر کوئی شخص اپنے پاس سے انتظام کرنا چاہے، تو کرسکتا ہے بشرطیکہ وہ رقم مالِ زکوٰۃ نہ ہو ورنہ اُس کا کھانا مستحق کے لئے تو جائز ہوگا لیکن غیر مستحق کے لئے ناجائز۔

واللہ تعالی أعلم بالصواب

الإثنین ۲۶ رمضان المبارك ۱٤۲۳ھ، ۲ دسمبر ۲۰۰۲م JIA-377

## زندگی میں قبر کی جگہ مخصوص کرنا کیسا؟

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین و مفتیانِ شرع متین اِن مسائل میں

کہ لوگ اپنی زندگی ہی میں اپنے اور اپنے خاندان کے لئے قبرستان مختص کر لیتے ہیں، کیاایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟ (سائل: محمد آصف اویسی، لی مارکیٹ، کراچی)

باسمه تعالیٰ و تقدس الجواب: اپنی حلال کمائی سے کوئی جگہ خرید کر زندگی میں اپنی اور اپنے خاندان کی قبروں کے لئے مختص کر لینا شرعاً جائز ہے۔

چنانچہ امام محمد بن سعد بغدادی متوفی ۲۳۰ھ لکھتے ہیں: أنّ عُمر بن عَبد العزِیز إشترىٰ مَوضع قَبره قَبل أنْ يَموت بعَشرةِ دَنانِير. (1)

یعنی: حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے پہلے دس دینار میں اپنی قبر کی جگہ خریدی۔

اور امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ نقل کرتے ہیں: ومَات(أبوسفيان بن الحارث) سنَة عِشرين وَصلّى عليه عُمر بن الخطّاب وَقبرفِي دَارعقِيل بنِ أبِي طَالب بِالبقيع و هُو الّذى حفر قَبر نفسِه قَبل أنْ يَموتَ بِثلاثة أيّام. (2)

یعنی: حضرت ابو سفیان بن حارث رضی اللہ عنہ کا بیس ہجری میں انتقال ہوا اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کی قبر بقیع شریف میں دارِ عقیل بن ابی طالب میں ہے اور یہ وہی قبر ہے جو آپ نے اپنی

---

(1) الطبقات الكبرىٰ لابن سعد،الطبقةالثالثةمن أهل المدينة من التابعين،عمر بن عبد العزيز،٤/ ٧٤

(2) المستدرك للحاكم،كتاب المعرفةالصحابةرضی الله عنه،ذكرمناقب أبي سفيان بن الحارث،٤/ ٢٨٣،برقم: ٥١٥٧

زندگی میں اپنے انتقال سے تین دن پہلے کھدوائی تھی۔

اور علامہ عالم بن علاء انصاری دہلوی حنفی متوفی ۷۸٦ھ لکھتے ہیں: مَن حفر قبراً لنَفسہٖ قَبل موتِہ فَلابَأس بہٖ. (1)

یعنی: جس نے اپنی موت سے پہلے اپنے لئے قبر کُھدوائی تو اِس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اور علامہ علاؤ الدین محمد بن علی حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں: وَیحفر قَبراً لِنفسِہ، وَقِیل یُکرَہ. (2)

یعنی: اور اپنے لئے قبر کھدواسکتا ہے اور کہا گیا ایسا کرنا مکروہ ہے۔

اور علامہ جلال الدین احمد امجدی حنفی متوفی ۱۴۲۲ھ لکھتے ہیں: زندگی میں اپنی قبر کے لئے جگہ متعیّن کرسکتا ہے شرعاً اِس میں کوئی قباحت نہیں... اور حضرت شیخ مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے زندگی میں اپنی قبر تیار کروائی اور اُسی میں بیٹھ کر ایک رسالہ تحریر فرمایا جو رسالہ "قبریہ" سے مشہور ہوا۔ (3)

البتہ پہلے سے قبر کُھدوار کھنا بے فائدہ ہے کہ کون کہاں مرے گا، معلوم نہیں۔

چنانچہ صدرالشریعہ محمد امجد علی اعظمی حنفی متوفی ۱۳٦۷ھ لکھتے ہیں: اپنے لیے کفن تیار رکھے تو حَرَج نہیں اور قبر کھدوار کھنا بے معنی ہے، کیا معلوم کہاں مرے

---

(1) الفتاوی التاتارخانیۃ، کتاب الصلاۃ والجنائز، القبر والدفن، ۳/ ۷٦، برقم: ۳۷٤۹

(2) الدّر المختار، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجنائز، تحت قولہ: ویخرج ولدھا، ص۱۲۳

(3) کمافی فتاویٰ فیض الرّسول، کتاب الوقف، ۳/۳٦۹

گا۔ ❶

اور مفتیِ اعظم پاکستان مفتی محمد وقار الدین قادری حنفی متوفی ۱۴۱۳ھ لکھتے ہیں: اگر کسی شخص کی مملوکہ زمین ہے تو اس میں دفن ہونے کی وصیت کر سکتا ہے اور جگہ بھی معیّن کر سکتا ہے مگر اِس کا کوئی فائدہ نہیں اِس لئے کہ معلوم نہیں کہ اُس کی موت کہاں واقع ہو گی۔ ❷

واللّٰہ تعالی أعلم بالصواب

الثلثاء، ۲ صفر المعظم ۱۴۲۳ھ، ۱۶ اپریل ۲۰۰۲م JIA-249

## نومولود بچے کے انتقال پر نام، غسل اور کفن کے احکام

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین و مُفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ ایک بچہ پیدا ہوا اِس حالت میں کہ پیدا ہونے کے وقت زندگی کی کوئی علامت نہیں پائی گئی تو اب اُس کو غسل دیا جائے یا نہیں اور نام رکھا جائے یا نہیں اِسی طرح اُس کی نمازِ جنازہ بھی ہو گی یا نہیں؟ (سائل: معرفت ابراہیم، غریب آباد، ملیر)

باسمہ تعالیٰ و تقدّس الجواب: جو بچہ مردہ پیدا ہو، اُس کا حکم یہ ہے کہ اُس کا نام رکھا جائے گا جبکہ اُس کے لئے نہ غسلِ مسنون ہے نہ کفنِ مسنون نہ نمازِ جنازہ ہے، بس ویسے ہی نہلا کر ایک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائے۔

چنانچہ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ اپنی

---

❶ بہارِ شریعت، قبر و دفن کا بیان، ۱/۴/۸۴۷

❷ وقار الفتاویٰ، ایصالِ ثواب، ۱/۱۸۷

سند سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:الطِّفْلُ لَا يُصَلَّى عَلَيْهِ....حَتَّى يَسْتَهِلَّ. ❶

یعنی: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تک بچہ آواز نہ نکالے (یعنی زندہ پیدا نہ ہوا ہو) اُس کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔

اور علامہ برہان الدین ابوالحسن علی بن ابو بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:(وَمنْ اسْتهلَّ بَعد الْولادَة سُمِّي وغُسِّل وَصلّي علَيْه)لقولِه-عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ-«إِذَا اسْتَهَلَّ الْمَوْلُوْدُ صَلِّي عَلَيْهِ و إِنْ لَمْ يَسْتَهِلَّ لَم يصلَّ علَيْه»وَلأنَّ الِاسْتهلالَ دلالَة الحْياة فتحقّق في حقّه سُنّة المْوْتى (وإِنْ لَم يستهلّ أُدرج فِي خرقةٍ)كَرامةً لبنِي آدم(ولَمْ يُصلّ عليه) لِمارَوَيْنا، ويغسّل فِي غيرِ الظّاهرِ مِنْ الرِواية لأنّه نفسٌ مِن وجهٍ، وَهو الْمُخْتار. ❷

یعنی: اور ولادت کے بعد بچہ نے آواز نکالی (یعنی زندہ پیدا ہوا)، تو اُس کا نام رکھا جائے گا، اُسے غسل دیا جائے گا اور اُس کی نمازِ جنازہ ادا کی جائے گی، نبی پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اِس فرمان کی وجہ سے کہ جب بچہ آواز نکالے، تو اُس کی نمازِ جنازہ ادا کی جائے گی اور اگر اُس نے آواز نہ نکالی، تو اُس کی نمازِ جنازہ ادا نہیں کی جائے گی

---

❶ سُنن الترمذی، کتاب الجنائز،باب ما جاء فی ترک الصلاۃ علی الجنین حتی یستھلّ، برقم:۱۰۳۲،۲/ ۱۳۹

❷ الھدایۃ شرح بدایۃ المبتدی،کتاب الصلاۃ،باب الجنائز،فصل فی الصّلاۃ علی المیّت، ۱/۱/ ۱۱۲

اوراس وجہ سے کہ آواز نکالنا زندگی کی دلیل ہے لہٰذا اُس کے حق میں مردوں کا طریقہ متحقّق ہو گا اور اگر اُس نے (پیدائش کے وقت) آواز نہ نکالی، تو بنی آدم کی کرامت کی وجہ سے اُسے ایک کپڑے میں لپیٹ دیا جائے گا اور اُس کی نماز ادا نہیں کی جائے گی جیسا کہ ہم نے روایت کیا اور غیر ظاہر الرّوایہ میں ہے کہ اُسے غسل دیا جائے گا؛ کیونکہ وہ من وجہٍ ایک نفس ہے اور یہی مختار ہے۔

اور علّامہ شمس الدین ابو العباس احمد بن ابراہیم سروجی حنفی متوفی ۷۱۰ھ لکھتے ہیں: وإذا استهلّ المولود سمّي و غُسل وَ صلّي عَليه و يَرث و يُورث لأنّ رفْع صَوته عِندالولادة دلِيل حيَاته وإن لم يستَهلّ لم يسمّ وَلم يغسل ولم يرِث. ❶

یعنی: اور پیدا ہونے والا بچہ جب آواز نکالے تو اُس کا نام رکھا جائے گا اور اُسے غسل دیا جائے گا اور اُس کی نمازِ جنازہ ادا کی جائے گی اور وہ وارث بنے گا اور اُس کا وارث بنا جائے گا؛ کیونکہ ولادت کے وقت اُس کا بلند آواز سے چیخنا اُس کی زندگی کی دلیل ہے اور اگر وہ ولادت کے وقت آواز نہ نکالے، تو اُس کا نام نہیں رکھا جائے گا، نہ غسل دیا جائے گا اور نہ ہی وہ (کسی کا) وارث بنے گا۔

اور علّامہ عبید اللہ بن مسعود بن عمر حنفی متوفی ۷۴۷ھ لکھتے ہیں: و مَن وُلد فمَات سُمّي وغُسل وصُلّي علَيه إنْ استَهلّ وإلّا أُدرج فِي خِرقةٍ و لَم يصلّ علَيه وغُسل وهُو المختَار. ❷

---

❶ الغاية شرح الهداية، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل في غسل الميّت، ٥/ ٥٠٤

❷ شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب الجنائز، ق٧٣، مخطوط مصوّر

یعنی: جو بچہ پیدا ہوا اور مر گیا تو اُس کا نام رکھا جائے گا اُسے غسل دیا جائے گا اور اُس کا جنازہ پڑھا جائے گا اگر اُس نے آواز نکالی ہو (زندہ پیدا ہوا ہو) اور اگر اُس نے آواز نہ نکالی، تو اُسے کپڑے کے ٹکڑے میں لپیٹا جائے گا اور غسل دیا جائے گا اور اُس پر نماز نہیں پڑھی جائے گی، یہی مختار ہے۔

اور علّامہ حسن بن عمار شرنبلالی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں: وإنْ لم يستهلّ غسل وإن لم يتمّ خلقه فِي المختار لأنّه نفسٌ من وجهٍ وأُدرج في خرقة وسُمّي ودُفن وَ لم يصلّ عليه.❶

یعنی: اگر آواز نہ نکالی، تو غسل دیا جائے گا اگرچہ اس کی خلقت پوری نہ ہوئی ہو مختار قول یہی ہے کیونکہ وہ من وجہٍ (ایک اعتبار سے) انسان ہے اور کپڑے کے ٹکڑے میں لپیٹا جائے گا اور نام رکھا جائے گا اور دفن کر دیا جائے گا اور اس پر نماز نہیں پڑھی جائے گی۔

اور صدر الشریعہ محمد امجد علی اعظمی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں: بچہ زندہ پیدا ہوا یا مردہ اُس کی خلقت تمام ہو یا ناتمام بہر حال اُس کا نام رکھا جائے گا۔❷

نوٹ: مزید تفصیل کے لئے ہمارے فتویٰ (JIA:316) کا مطالعہ فرمائیں۔

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

الجمعة، ۲۰ شعبان المعظم ۱٤۲٤ھ/ ۱۷ اکتوبر ۲۰۰۳ء　　JIA-530

---

❶ نورالإيضاح مع شرحه مراق الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل في بيان الأحق بالصلاة... إلخ، ص ۲۹۹

❷ بہارِ شریعت، نماز کا بیان، نمازِ جنازہ کا بیان، ۱/ ۴/ ۸۴۱

# تدفین کے بعد تلقین کا ثبوت

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین و مُفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ مردے کو دفن کرنے کے بعد قبر کے پاس بیٹھ کر تلقین کرنا شرعاً کیسا ہے؟

(سائل: معرفت علامہ سیّد محمد طاہر نعیمی، اولڈ ٹاؤن، کراچی)

باسمه تعالیٰ وتقدّس الجواب: تدفین کے بعد قبر پر تلقین کرنا شرعاً جائز ہے؛ کیونکہ مُردے کو قبر میں دفن کرنے کے بعد تلقین کرنے کا حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے ثابت ہے، اِسی طرح اِس تلقین کی وصیّت صحابہ کرام علیہم الرضوان سے بھی ثابت ہے۔

چنانچہ امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ اپنی سند سے حضرت سعید بن عبد اللہ اَودی سے روایت کرتے ہیں، اُنہوں نے کہا: شَهِدْتُ أَبَا أُمَامَةَ وَهُوَ فِي النَّزْعِ، فَقَالَ: إِذَا أَنَا مُتُّ، فَاصْنَعُوا بِي كَمَا أَمَرَنَا رَسُولُ الله صلى الله عليه وسلم أَنْ نصْنَعَ بِمَوْتَانَا أَمَرَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " إِذَا مَاتَ أَحَدٌ مِنْ إِخْوَانِكُمْ فَسَوَّيْتُمُ التُّرَابَ عَلَى قَبْرِهِ فَلْيَقُمْ أَحَدُكُمْ عَلَى رَأْسِ قَبْرِهِ، ثُمَّ لِيَقُلْ: يَا فُلَانُ ابْنَ فُلَانَةَ، فَإِنَّهُ يَسْمَعُهُ وَلَا يُجِيبُ، ثُمَّ يَقُولُ يَا فُلَانُ ابْنَ فُلَانَةَ، فَإِنَّهُ يَسْتَوِي قَاعِدًا، ثُمَّ يَقُولُ: يَا فُلَانُ ابْنَ فُلَانَةَ، فَإِنَّهُ يَقُولُ: أَرْشِدْ رَحِمَكَ اللّٰهُ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ فَلْيَقُلِ: اذْكُرْ مَا خَرَجْتَ عَلَيْهِ مِنَ الدُّنْيَا شَهَادَةَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَأَنَّ

مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وَأَنَّكَ رَضِيتَ بِاللهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا، وَبِالْقُرْآنِ إِمَامًا فَإِنَّ مُنْكَرًا وَنَكِيرًا يَأْخُذُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِيَدِ صَاحِبِهِ وَيَقُولُ:انْطَلِقْ مَا نَقْعُدُ عِنْدَ مَنْ قَدْ لُقِّنَ حُجَّتَهُ. [1]

یعنی: میں حضرت ابو اُمامہ کے پاس حاضر ہوا اِس حال میں کہ آپ حالت نزع میں تھے، تو حضرت ابو اُمامہ نے فرمایا: جب میں وفات پا جاؤں تو میرے ساتھ وہی کرنا جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ہمیں اپنے مردوں کے ساتھ کرنے کا حکم دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ جب تمہارے بھائیوں میں سے کوئی انتقال کر جائے، تو تم اُس کی قبر پر مٹی ڈالو پھر تم میں سے کوئی ایک اُس کے سرہانے کھڑا ہو اور کہے کہ اے فلاں بن فلانہ! وہ سُنے گا اور جواب نہیں دے گا پھر کہے: اے فلاں بن فلانہ، تو وہ سیدھا بیٹھ جائے گا پھر کہے: اے فلاں بن فلانہ! تو وہ کہے گا: اللہ تم پر رحم کرے ہماری رہنمائی کر لیکن تم نہیں جانو گے پھر کہے: تو یاد کر اُسے جس کی تو دنیا میں گواہی دیا کرتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) اُس کے بندے اور رسول ہیں اور یہ کہ تو اللہ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے اور محمد (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کے نبی ہونے اور قرآن کے امام ہونے پر

[1] کتاب الدّعاء للطبرانی، باب ما یقال عند قبر المیت بعدما یدفن، برقم: ۱۲۱۴، ص ۳٦٥

راضی تھا، تو منکر نکیر ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ چلو ہم اُس کے پاس نہیں بیٹھیں گے جسے اُس کی حجّت سکھادی گئی۔

اِسی طرح یہ بھی منقول ہے کہ صحابۂ کرام تدفین کے بعد تلقین کو مستحب جانتے تھے۔

چنانچہ امام سعید بن منصور کے حوالے سے علّامہ حسن بن عمار شرنبلالی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں: لَقِّنُوْا مَوْتَاكُمْ شَهَادَةَ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّااللهُ"أخرجه الجماعةُ إلّا البُخارِي وَ نَسبَ إلىٰ أهْلِ السُّنةِ والجماعةِ.(1)

یعنی: اپنے مُردوں کو کلمۂ شہادت کی تلقین کرو۔ (یعنی اِس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) ایک جماعت نے اس کی تخریج کی ہے سوائے امام بخاری کے اور اہلِ سنت وجماعت کی طرف منسوب کیا ہے۔

اِسی لئے ہم اہلسنّت و جماعت کے نزدیک تدفین کے بعد تلقین کرنا مشروع ہے۔

چنانچہ علّامہ ابو بکر علی حدّادی حنفی متوفی ۸۰۰ھ(2) لکھتے ہیں اور اُن کے حوالے سے علّامہ علاؤالدین حصکفی حنفی متوفی۱۰۸۸ھ(3) اور علّامہ عبد الغنی غنیمی

(1) إمداد الفتاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصّلاة، باب أحكام الجنائز، تحت قوله: في القبر مشروع، ص ٦٠٣

(2) الجوهرة النيرة، كتاب الصلاة، باب الجنائز، تحت قوله: لقن شهادتين، ١/ ٢٥٢

(3) الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، تحت قوله: ولا يلقن بعد تلحيده، ص١١٦

میدانی حنفی متوفی ۱۲۹۸ھ (1) لکھتے ہیں: و أمّا التَلقِین فِی القبر فَمشْروعٌ عند أهل السُّنة لأنَّ الله يُحييه فِي القَبر.

یعنی: اور قبر پر تلقین کرنا اہلسنت و جماعت کے نزدیک مشروع ہے اِس لئے کہ اللہ تعالیٰ اُسے قبر میں زندہ فرماتا ہے۔

اور ہمارے اَسلاف میں سے بھی بعض سے دفن کے بعد تلقین کرنا اور اِس کی وصیّت کرنا منقول ہے۔

چنانچہ علّامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں: و حکی عن ظَهيرِ الدّين المَرغينانِي أنه لَقّن بَعضَ الأئِمّة مِن السّلفِ بعد دَفنه و أوصَى أنْ يُلقّنَ هُو أيضاً بعدَ دَفنه كذا في "عباب المفتي". (2)

یعنی: ظہیر الدین مرغینانی سے حکایت کی گئی ہے کہ اُنہوں نے بعض آئمہ اَسلاف کو تدفین کے بعد تلقین کی اور اپنے لئے وصیّت فرمائی کہ اُنہیں بھی اِسی طرح تدفین کے بعد تلقین کی جائے، اِسی طرح "عباب المفتی" میں ہے۔

والله تعالى أعلم بالصواب

السبت ۱۱ جمادیٰ الاخریٰ ۱۴۲۳ھ، ۳۱ اگست ۲۰۰۲م JIA-302

## قبر میں متبرک اشیاء اور عہد نامہ رکھنے کا حکم

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین و مُفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں

---

(1) اللباب فی شرح الکتاب، کتاب الصّلاۃ، باب الجنائز، حکم تلقین المیت بعد الدفن، تحت قوله: لقّن شهادتين، ١/ ١٢٧

(2) البناية شرح الهداية، کتاب الصلاۃ، باب الجنائز، تحت قوله: والمراد به الذی...إلخ، ص١٧٨

کہ کفن میں متبرک اشیاء رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

(سائل: معرفت علامہ سید محمد طاہر نعیمی، اولڈ ٹاؤن کراچی)

باسمه تعالیٰ وتقدّس الجواب: کفن میں متبرک اشیاء رکھنا شرعاً جائز ہے اور آثارِ صالحین سے برکت لینا جائز ہی نہیں بلکہ مستحب ہے؛ کیونکہ خود حضور علیہ الصّلاۃ والسّلام نے اپنے مبارک عمل سے امت کو آثارِ صالحین سے برکت لینے کی تعلیم فرمائی ہے۔

چنانچہ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ [1]، امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ [2] اپنی اپنی سند سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلّم کی کسی صاحبزادی (غالباً حضرت زینب رضی اللہ عنہا تھیں جیسا کہ لمعات میں ہے) کا وصال ہوا تو اُمّ عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا جب تم غسل دے چکو تو مجھے اطلاع دینا، چنانچہ جب ہم غسل سے فارغ ہو گئیں تو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو اطلاع دی گئی، فَأَلْقَى إِلَيْنَا حِقْوَهُ فَقَالَ: "أَشْعِرْنَهَا إِيَّاهُ". (واللّفظ للبخاری ومسلم).

یعنی: آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ہماری طرف اپنا تہبند شریف پھینکا اور فرمایا اِسے شعار بناؤ، یعنی اندر لپیٹ دو۔

---

[1] صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب ما یستحب أن یغسل وترآ، برقم الحدیث: ۱۲۵٤، ۳۰۵/۱

[2] صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب فی غسل المیت، برقم الحدیث: ۹۳۹، ۶٤۶/۲

## شعار کے معنی:

"شِعار" سے مراد "وہ کپڑا ہے جو جسم سے ملا ہوا ہو"۔

چنانچہ شیخ عبد الحق محدّث دہلوی حنفی متوفی ۱۰۵۲ھ لکھتے ہیں: الشِعارُ مایَلی الجسدَ مِن الثِیابِ لِلصوقِهِ بِالشَّعر. ❶

یعنی: شعار وہ کپڑا ہے جو بدن سے ملا ہو؛ کیونکہ وہ بالوں سے ملا ہوا ہوتا ہے۔

اِسی طرح مذکورہ حدیث شریف کی وضاحت کرتے ہوئے ایک اور مقام پر لکھتے ہیں: أیْ اِجْعلنَ الحِقوَ تحتَ الکفَنِ لِیمسّ بِبَدنِها و یحصلُ البرکة. ❷

یعنی: تہبند کو کفن کے اندر کردو تاکہ بدن کو چھوئے اور برکت حاصل ہو۔

## اِشعار میں حکمت:

امام ابو الفضل عیاض بن موسیٰ حصبی متوفی ۵۴۴ھ ❸ اور امام ابو العباس احمد بن عمر قرطبی متوفی ۶۵۶ھ ❹ لکھتے ہیں: وَ فعل النَّبیُّ صلی اللہ علیه واله وسلم ذٰلك بهالِتنالها بَرکة ثوبِه.

---

❶ لمعات التنقیح شرح مشکاۃ المصابیح، کتاب المناقب، باب جامع المناقب، الفصل الأوّل، تحت الحدیث: ۶۲۱۸، ۹/ ۷۵۷

❷ لمعات التنقیح شرح مشکاۃ المصابیح، کتاب المناقب، باب جامع المناقب، الفصل الأوّل، تحت الحدیث: ۶۲۱۸، ۹/ ۷۵۷

❸ إکمال المعلّم بفوائد مسلم، کتاب الجنائز، باب فی غسل المیت، تحت الحدیث: ۹۳۹، ۳/ ۳۸۶

❹ المفهم لما أشکل من تلخیص کتاب المسلم، کتاب الجنائز، باب الأمر بغسل المیت، تحت الحدیث: ۸۰۷، ۲/ ۵۹۲

یعنی: اور نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنی لختِ جگر کے لئے ایسا اِس لئے کیا تاکہ انہیں آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے مبارک کپڑے کی برکت حاصل ہو جائے۔

اور امام یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۷ھ اِس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: وَالْحِكمة فی إشعارِها بِه تبريكُها به. ❶

یعنی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا اپنے تہبند کو کفن کے نیچے رکھنے میں حکمت یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے تہبند کے ذریعہ صاحبزادی کو برکت پہنچے۔

اور شارحِ بخاری علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں: وَ الحِكمةُفيه التبركُ بآثاره الشَّريفَة و إنما أَخَّره إلىٰ فَراغهنَّ من الغُسل و لم يناولهِنَّ إيّاه أوّلًا ليكُون قريب العَهْد من جسده صلى الله عليه وسلم الشريف حَتّٰى لَا يكون بَيْن انْتقَاله من جسده إلىٰ جَسدها فاصلٌ. ❷

یعنی: اِس میں حکمت یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے آثارِ شریفہ سے برکت حاصل کی جائے اور اُس کو غسل سے فراغت تک مؤخر کیا اور شروع میں

---

❶ شرح صحیح مسلم للنووی، کتاب الجنائز، باب فی غسل المیت، تحت الحدیث: ۹۳۹، ۷/ ٤

❷ عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب غسل المیت بالماء....إلخ، تحت الحدیث: ۱۲۵۳، ۶/ ۵۶

چادر اِس وجہ سے نہیں عطا فرمائی تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم سے (چادر کے ملے رہنے) کا زمانہ قریب ہوجائے یہاں تک کہ چادر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم مبارک سے آپ کی شہزادی تک منتقل ہونے کے درمیان کوئی فاصلہ نہ ہو۔

## آثارِ صالحین سے تبرک کی اصل:

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت ابنِ عباس سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: إِنِّي أَلْبَسْتُها قَمِيصِي لِتَلْبَسَ مِنْ ثِيَابِ الْجَنَّةِ وَاضْطَجَعْتُ مَعَهَا فِي قَبْرِهَا لَيُخَفَّفَ عَنْهَامِنْ ضَغْطَةِ الْقَبْرِ. ❶

یعنی: میں نے فاطمہ بنتِ اسد کو اپنی قمیص اِس لئے پہنائی تاکہ یہ جنت کے کپڑوں میں سے پہنیں اور میں اُن کی قبر میں اِس لئے لیٹا تاکہ اِن سے قبر کی تنگی دور کردی جائے۔

حدیثِ مذکور سلف صالحین کے آثار سے برکت حاصل کرنے کے لئے بیّن دلیل اور واضح ثبوت ہے۔

چنانچہ امام نووی لکھتے ہیں: فَفِيه التَّبركُ بآثارِ الصَّالحين و لِباسِهم. الخ ❷

---

❶ المعجم الأوسط للطبراني، باب الألف، من إسمه أحمد، برقم الحديث: ٦٩٣٥، ٥/ ١٦٥

❷ شرح صحيح مسلم للنووي، كتاب الجنائز، باب في غسل الميت، برقم الحديث: ٣٦. (٩٣٩)، ٤/ ٤

یعنی: حدیث شرف میں صالحین کے آثار اور اُن کے لباس سے برکت حاصل کرنے کا ثبوت ہے۔

اور علّامہ بدر الدین عینی لکھتے ہیں: و هُو أصلٌ فِي التَّبرُّكِ بآثارِ الصّالحِين. ❶

یعنی: اور یہ حدیث آثارِ صالحین سے برکت حاصل کرنے میں اَصل ہے۔

اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی مذکور حدیث شریف کی شرح میں لکھتے ہیں: و هٰذا الحديثُ أصلٌ في التَّبركُ بآثارِ الصَّالحين و لِباسِهم كما يفعلُه بعضُ مُريدِي المَشائخِ من لُبس أقمِصتهم في القَبر. ❷

یعنی: یہ حدیث شریف آثارِ صالحین اور اُن کے لباس سے برکت حاصل کرنے میں اصل ہے جیسا کہ مشائخ کے بعض مریدین قبر میں اُن کی قمیص پہنتے ہیں۔

اور علّامہ سیّد محمود احمد رضوی حنفی متوفی ۱۴۲۰ھ لکھتے ہیں: یہ حدیث آثارِ صالحین سے برکت لینے میں اصل ہے اور اِس سے واضح ہوا کہ صالحین کے لباس اور اُن کے تبرکات سے بعدِ موت قبر میں بھی برکت لینا مستحب ہے۔ ❸

---

❶ عمدة القاری شرح صحيح البخاری، كتاب الجنائز، باب غسل الميت بالماء....إلخ، تحت الحديث: ١٢٥٣، ٦/ ٥٦

❷ لمعات التنقيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب الجنائز، باب غسل الميت و تكفينه، الفصل الأول، تحت الحديث: ١٦٣٤، ٤/ ١٠٧

❸ فيوض الباری شرح صحيح البخاری، كتاب الجنائز، باب مواضع الوضوء من الميت، ٣/ ١٣٧

مذکورہ حدیث شریف کے تحت شبیر احمد عثمانی دیوبندی متوفی ۱۳۶۹ھ [1] اور نواب صدیق حسن بھوپالی غیر مقلّد متوفی ۱۳۰۷ھ [2] کو بھی لکھنا پڑا کہ یہ حدیث آثارِ صالحین کے ساتھ تبرک حاصل کرنے میں اصل ہے اور اِس حدیث میں آثارِ صالحین کے ساتھ تبرک حاصل کرنے کا ثبوت ہے۔ دیکھئے شبیر احمد عثمانی کی "فتح الملہم" اور صدیق حسن بھوپالی کی "السراج الوھاج"

## صحابی کا عمل:

صحابہ کرام علیہم الرضوان، رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی تعلیم کی بنا پر آثارِ صالحین سے برکت حاصل کرتے تھے۔

چنانچہ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت نے ایک خوبصورت تہبند بُن کر حضور صلّی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں پیش کیا اور ایک صحابی نے وہ تہبند آپ صلّی اللہ علیہ والہ وسلم سے مانگ لیا، صحابہ کرام نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو تہبند کی ضرورت تھی اور آپ سخی اور جوّاد ہیں سائل کو رد نہیں فرماتے۔ تم نے کیوں مانگا؟ تو اُس صحابی نے جواب میں فرمایا: إِنِّيْ وَ اللهِ مَا سَأَلْتُهُ لِأَلْبَسَهُ، إِنَّمَا سَأَلْتُهُ لِتَكُوْنَ كَفَنِيْ، قَالَ سَهْلٌ: فَكَانَتْ كَفَنَهُ. [3]

---

[1] فتح الملہم بشرح صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب فی غسل المیت، ۲۲/۶

[2] السراج الوھاج من کشف مطالب صحیح مسلم بن حجاج، کتاب الجنائز، باب فی غسل المیت، ۳۱۸/۳

[3] صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب من استعد الکفن... إلخ، برقم الحدیث: ۱۲۷۷، ۳۱۰/۱

یعنی: اللہ کی قسم! میں نے یہ تہبند پہننے کے لئے نہیں مانگا بلکہ میں نے تو یہ اِس لئے مانگا ہے تاکہ یہ میرا کفن بن جائے حضرت سہل فرماتے ہیں: وہ تہبند اُن صحابی کا کفن بن گیا۔

## وصیتِ سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ:

اِسی طرح صحابہ کرام سے تبرکات اور آثارِ مقدسہ کفن میں شامل کرنے کی وصیّت کرنا بھی ثابت ہے۔

چنانچہ علّامہ ابو عمر یوسف بن عبد اللہ متوفی ۴۶۳ھ روایت کرتے ہیں: قال یا بُنَیّ إنّی صَحبتُ رَسولَ الله ﷺ فخرج لِحاجة فَاتّبعتُه بإداوَة فكسانیْ أحدَ ثَوبیه الّذی كان علیٰ جِلده فَخبّأته لِهذا الْیومِ و أخذَ رَسولُ الله ﷺ من أظفاره و شَعرِه ذاتَ یوم فأخَذتُه وخَبّأته لِهذا یوم فإذا أنا مِتُّ فَاجْعلْ ذٰلك الْقَمیصَ دون كَفْنی مما یَلی جِلدی وخُذْ ذٰلك الشَّعر والْأظفار فَاجعَلْه فِی فَمی وعلیٰ عَینی و مَواضِعَ السُّجود مِنّی. [1]

یعنی: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بوقتِ وصال فرمایا: اے میرے بیٹے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم قضاءِ حاجت کے لئے تشریف لے گئے اور میں ایک مشکیزہ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنے مبارک جسم کے ساتھ لگے ہوئے دو کپڑوں میں سے ایک کپڑا عنایت فرمایا ،اُسے میں نے آج کے دن کے لئے محفوظ رکھا ہوا تھا اور ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ

---

[1] الإستيعاب في معرفة الأصحاب،باب معاوية بن أبي سفيان، ۳/ ۴۷۳

والہ وسلم نے اپنے مبارک بال اور ناخن تراشے اور اُنہیں بھی میں نے لے کر اِس دن کے لئے سنبھال کر رکھا ہوا تھا، جب میں فوت ہو جاؤں تو اِس مبارک قمیص کو میرے کفن کے نیچے جسم کے ساتھ لگا کر شامل کرنا اور اِن مبارک بالوں اور ناخنوں کو میرے منہ، آنکھوں اور اعضائے سجود پر رکھ دینا۔

## قبر میں عہدنامہ رکھنا:

اِسی طرح قبر میں تبرکاً عہدنامہ رکھنا یا میّت کی پیشانی یا کفن پر لکھنا بھی جائز ہے۔

چنانچہ علّامہ علاؤالدین محمد بن علی حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں: كُتِبَ علىٰ جبهة الميتِ أو عمامتِه أو كفنه عَهدَ نَامَه يُرجى أن يّغفرِ اللهُ للميّت. (1)

یعنی: میت کی پیشانی یا اُس کے عمامہ یا اُس کے کفن پر عہد نامہ لکھا گیا تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ میت کی مغفرت فرمادے گا۔

اور مفتیِ اعظم پاکستان مفتی محمد وقار الدین قادری متوفی ۱۴۱۳ھ لکھتے ہیں: عہدنامہ قبر میں رکھنا جائز ہے۔ مگر اچھا یہ ہے کہ قبر کی دیوارِ قبلہ میں چہرہ کے مقابل طاق بنا کر اُس میں رکھ دیا جائے۔ (2)

والله تعالى أعلم بالصواب

JIA-319 السبت ۲۰ رجب المرجب ۱٤۲۳ھ، ۲۸ ستمبر ۲۰۰۲م

---

(1) الدّر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، ص ۱۲٤

(2) وقار الفتاویٰ، کتاب الجنائز، تدفین کا بیان، قبر یا سینہ میت پر عہد نامہ رکھنے کا حکم، ۲/۳۸۲

## شوہر کا اپنی بیوی کے ساتھ سالی کو حج پر لے جانا کیسا؟

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین و مُفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ میاں بیوی حج پر جارہے ہیں تو کیا اُن کے ساتھ اُس کی سالی یعنی بیوی کی بہن بھی جاسکتی ہے کہ اُس کا بہنوئی اُس کا محرم بن جائے گا یعنی جب کہ اُسکی بیوی اُس کے ساتھ موجود ہے؛ کیونکہ ہم نے عُلمائے کرام سے سُنا ہے کہ اگر بیوی ساتھ میں ہو تو پھر سالی بھی ساتھ جاسکتی ہے؟ (سائل: محمد طارق، میٹھادر، کراچی)

باسمه تعالیٰ وتقدّس الجواب: مذکورہ عورت اپنے بہنوئی کے ساتھ سفرِ حج کو نہیں جاسکتی کہ عورت کے لئے بغیر محرم سفر جائز نہیں ہے۔

چنانچہ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ (1)، امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵٦ھ (2)، امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲٦۱ھ (3) اور علامہ سید احمد بن محمد طحاوی حنفی متوفی ۳۲۱ھ (4) اپنی اپنی سند کے ساتھ حضرتِ عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں: عَنِ النَّبِیِّ أنه قَالَ: أَلَا لَا تَحُجَّنَّ امْرَأَةٌ إِلَّا وَمَعَهَا ذُوْ مَحْرَمٍ.

---

(1) مسند الإمام أحمد بن حنبل، مسند عبداللہ بن عباس، ۱/ ۵۹۱، برقم: ۱۹۳٤

(2) صحیح البخاری، کتاب الجهاد، باب من اکتتب فی جیش... إلخ، ۲/ ۲۸٤، برقم: ۳۰۰٦

(3) صحیح مسلم، کتاب الحج، باب سفر المرأة مع محرم إلی حج أو غیره، ۲/ ۹۸۷، برقم الحدیث: ٤۲٤

(4) شرح معانی الآثار، کتاب مناسك الحج، باب المرأة لاتجد محرماً... إلخ، ۲/ ۱۱۲، برقم: ۳٤۹۳

یعنی: نبیِ کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا: خبردار کوئی بھی عورت بغیر محرم کے ہرگز سفرِ حج کو نہ جائے۔

اور محرم وہ ہوتا ہے، جس کے ساتھ عورت کا نکاح ہمیشہ کے لئے حرام ہو یا وہ اُس کا شوہر ہو۔

چنانچہ شیخ طاہر بن احمد بن عبد الرشید حنفی متوفی ۵۴۲ھ ❶ لکھتے ہیں اور اُن کے حوالے سے علّامہ نظام الدین حنفی متوفی ۱۰۹۲ھ اور عُلمائے ہند کی ایک جماعت ❷ نے لکھا ہے: وَالمحرم الزّوج ومن لا یجوز مناکحتھا علی التأبید بقرابۃٍ أو رضاعٍ أو مصاھرۃ کذا فی "الخلاصۃ" و یشترط أن یکون ماموناً عاقلاً بالغاً. (واللّفظ للثانی)

یعنی: اور محرم شوہر ہے اور ہر وہ مرد جس کے ساتھ اُس عورت کا نکاح نسب کی وجہ یا دودھ کے رشتے یا سُسرالی رشتہ کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے جائز نہ ہو، اِسی طرح "خلاصۃ الفتاویٰ" میں ہے اور یہ بھی شرط ہے کہ وہ محرم مامون، عاقل، بالغ ہو۔

اور علّامہ سید محمد امین ابنِ عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں: والمحرم من لَا یجوز لَہ مناکحتھا علی التابید بقَرابۃٍ أورضَاعٍ أو صَھریّۃٍ. ❸

---

❶ خلاصۃ الفتاویٰ، کتاب الحج، فصل الأول فی المقدمۃ، ۱/ ۲۷۷

❷ الفتاوی الھندیۃ، کتاب المناسک، الباب الأول فی تفسیر الحج...إلخ، شرائط وجوبہ، ۱/ ۲۱۹

❸ ردّالمحتار علی الدر المختار، کتاب الحج، مطلب فی قولھم یقدم حق العبد...إلخ، تحت قولہ: مع زوجہ أو محرم، ۳/ ۵۳۱

یعنی: محرم وہ ہے جس کے ساتھ اُس عورت کا نکاح نسب، دودھ کے رشتہ یا سسرالی رشتے کے سبب ہمیشہ کے لئے ناجائز ہو۔

اور بہنوئی کے ساتھ نکاح ہمیشہ کے لئے حرام نہیں ہے، لہٰذا وہ محرم بھی نہیں ہے۔

واللّٰہ تعالیٰ أعلم بالصواب

الجمعة، ٢٠ شعبان المعظم ١٤٢٤ھ/ ١٧اکتوبر ٢٠٠٣ء JIA-553

# نومسلم عورت کے نکاح کا حکم

الاستفتاء: کیافرماتے ہیں عُلمائے دین و مُفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ شوہر والی کافرہ عورت اگر مسلمان ہو جائے تو اُس کے نکاح کا کیا حکم ہے؟

(سائل: محمد ارسلان، کراچی)

باسمه تعالیٰ و تقدّس الجواب شوہر والی کافرہ عورت اگر مسلمان ہو جائے تو حکم یہ ہے کہ اُس کے شوہر پر اسلام پیش کیا جائے اگر وہ اسلام لے آئے تو عورت بدستور اُس کی بیوی رہتی ہے اور اگر شوہر اسلام سے انکار کردے تو اُن کے مابین تفریق کا حکم کیا جاتا ہے اور تفریق کے بعد اگر وہ عورت مسلمان مرد سے نکاح کرنا چاہے تو تفریق کے بعد تین حیض (ماہواری) آنے کے بعد نکاح کر سکتی ہے۔

چنانچہ علّامہ برہان الدین علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ٥٩٣ھ لکھتے ہیں: إن أبى فرّقَ بَينَهُما. (1)

---

(1) الهداية شرح بداية المبتدى، كتاب النكاح، باب نكاح أهل المشرك، ١/ ٢٥٣

یعنی: اگر شوہر اسلام قبول کرنے سے انکار کرے تو قاضی اُن کے درمیان جُدائی کردے گا۔

اور علّامہ حافظ الدین ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی حنفی متوفی ۷۱۰ھ اور علّامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں: (ولَو أسلَم أحَدالزّوجَين) سواءكانَاكتابيَين أومجوسيَين(عُرض الإسلام على)الزّوج(الآخرفإنْ أسلَم) الآخرفَبهاونعمَت(وإلّا)أيْ وإنْ لم يسلِم الآخر(فرّق بينهُما)أيْ بين الزّوجَين.❶

یعنی: اگر زوجین میں سے ایک اسلام قبول کرلے خواہ دونوں کتابی ہوں یا مجوسی، تو دوسرے پر اسلام پیش کیا جائے گا اگر وہ اسلام قبول کرلے، تو فبہا اور بہت اچھا اور اسلام قبول نہ کرے، تو دونوں کے درمیان تفریق کردی جائے گی۔

اِسی طرح علّامہ کمال الدین محمد بن عبدالواحد ابنِ ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں: أَنَّ ابْنَةَ الْوَلِيدِ بْنِ المغِيرةِ كَانَتْ تَحْتَ صفْوانَ بْنِ أُمَيَّةَ فَأَسلمَتْ يَوْمَ الْفَتْحِ وَهربَ زَوْجُهَا صَفوانُ بْنُ أُمَيَّةَ مِن الإِسْلَامِ فَلم يُفَرِّقْ رَسولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَهُ وَبينَ امْرَأَتِه حَتّى أَسْلَمَ صَفْوَانُ« واسْتَقَرَّتْ عِنْدَهُ امرَأته بِذٰلِكَ النِّكَاحِ....أَنَّ عُمرَ فَرَّقَ بَيْنَ نَصْرَانِيٍّ وبَيْنَ نَصْرَانِيَّةٍ بِإِبَائِه عَنِ الإِسْلَامِ.وَذكرَ أَصْحَابُنَا أَنَّ رَجُلًا مِنْ تَغلِبَ

❶ كنز الدّقائق مع شرحه رمزالحقائق،كتاب النكاح،باب في بيان أحكام نكاح الكافر، ١/١٦٣

أَسْلَمَتْ امْرَأَتُه وهِيَ نَصْرَانِيَّةٌ فَرُفِعَتْ إلىٰ عُمَرَ بنَ الْخَطَّابِ فَقالَ لَهُ أَسْلِمْ وَإِلَّا فَرَّقْت بينكُما فَأَبى فَفَرَّق بَيْنَهُمَا وَظَهرَ حُكْمُه بَيْنَهُمْ وَلَمْ يُنْقَلْ خِلَاف أَحَدٍ لَه.[1]

یعنی:اور ولید بن مغیرہ کی بیٹی صفوان بن امیہ کے نکاح میں تھی اور وہ فتح مکہ کے دن مسلمان ہوگئی مگر اُس کا شوہر صفوان بن امیہ اسلام قبول کرنے سے بھاگ گیا،تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اُن دونوں کے درمیان تفریق نہ فرمائی یہاں تک کہ صفوان بھی مسلمان ہوگئے،اور ان کی بیوی اسی نکاح کے ساتھ اُن کے پاس رہی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک نصرانی اور نصرانیہ کے درمیان شوہر کے اسلام نہ لانے پر تفریق فرمادی اور ہمارے اصحاب نے ذِکر کیا کہ بنی تغلب کے ایک شخص کی نصرانیہ عورت مسلمان ہوگئی تو یہ معاملہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیاتو آپ نے اُس کے شوہر سے فرمایا:اسلام لا،ورنہ میں تم دونوں کے درمیان جدائی کردوں گا،تو اُس نے اسلام لانے سے انکار کردیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اُن دونوں کے درمیان تفریق کردی اور یہ حکم لوگوں کے درمیان مشہور ہوگیا اور کسی نے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مخالفت نہ کی۔

صُورتِ مسئولہ میں ”آغا خانی“چونکہ مسلمان نہیں ہیں اور عورت مسلمان ہوچکی ہے تو وہ ایک غیر مسلم کے ساتھ کسی بھی صُورت میں نہیں رہ سکتی،اب وہ شخص

---

[1] فتح القدير،كتاب النكاح،باب النكاح أهل الشرك، ٣/ ٢٨٨

اگر اسلام لانے سے انکار کر رہا ہے، تو اُس کا مذکورہ عورت سے کوئی تعلق باقی نہیں رہا اور اگر اُسے اسلام کی دعوت نہیں دی گئی اور اُس نے اسلام لانے سے انکار نہیں کیا تو جُدائی کا حکم نہ ہو گا۔ یہاں تک کہ اسے دعوتِ اسلام دی جائے اور وہ اسلام نہ لائے تو اِس صُورت میں بچے بھی ماں کے پاس رہیں گے اور اگر وہ دعوتِ اسلام پر اسلام قبول کرلیتا ہے تو مذکورہ عورت بدستور اُسی کی بیوی رہے گی۔

چنانچہ صدر الشریعہ محمد امجد علی اعظمی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں: عورت مسلمان ہوئی اور شوہر پر اسلام پیش کیا گیا اُس نے اسلام لانے سے انکار یا سکوت کیا تو تفریق کی جائے گی اور یہ تفریق طلاق قرار دی جائے۔ (1)

اور علّامہ محمد بن عبد اللہ بن احمد تمر تاشی حنفی متوفی ۱۰۰۴ھ اور علّامہ علاؤ الدین محمد بن علی حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں: (وإذا أسلمَ أحدُ الزّوجين المجوسيين أو امرأة الكتابي عُرِض الإسلام على الآخر فإنْ أسْلَم) فبِها (وإلّا) بأنْ أبىٰ أو سكَتَ (فُرِّق بينَهما....(والتفريق) بَينَهما (طلاقٌ) يُنقِص العددَ (لو أبىٰ لا لو أبت)لأنَّ الطّلَاق لا يكُون منَ النّساء. (2)

یعنی: مجوسی زوجین میں سے ایک مسلمان ہو جائے یا کتابی کی بیوی مسلمان ہو جائے تو دوسرے پر اسلام پیش کیا جائے گا اگر وہ اسلام لے آئے تو اچھا ہے اور اگر انکار کرے یا خاموش رہے تو دونوں میں جدائی کر دی جائے گی، اگر شوہر (اسلام لانے سے) انکار

(1) بہارِ شریعت، نکاح کافر کا بیان، ۲/ ۷/ ۹۱

(2) تنویر الأبصار مع شرحہ للحصکفی، کتاب النکاح، باب نکاح الکافر، ص۱۹۹

کرے تو ان دونوں کے درمیان یہ جُدائی طلاق قرار پائے گی جو کہ عددِ طلاق کو کم کر دے گی، اگر عورت انکار کرے تو عددِ طلاق کم نہ ہو گا؛ کیونکہ طلاق عورت کی طرف سے نہیں ہوتی۔

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

الجمعة، ۲۰ شعبان المعظم ۱٤۲٤ھ/ ۱۷اکتوبر ۲۰۰۳م JIA-542

## بوقتِ نکاح کوئی شرط لگانے کا حکم

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین و مُفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ زید کی شادی ہوتی ہے ہندہ سے۔ لڑکی والوں نے نکاح کے وقت نکاح فارم کی شق نمبر (۱۸) میں یہ شرط لکھوائی کہ اگر لڑکا بغیر کسی وجہ کے لڑکی کو طلاق دے گا تو ایک لاکھ روپے، مہر کے علاوہ بروقت لڑکی کو ادا کرے گا۔ لڑکے نے اپنی رضامندی سے مذکورہ شرط نکاح کے وقت قبول کی اور وعدہ بھی کیا کہ اگر میں نے طلاق دی تو مذکورہ شرط پوری کروں گا۔

پھر نکاح کے بعد طلاق واقع ہوئی اور لڑکے نے بغیر کسی عُذر کے طلاق دی جب اُس سے مہر اور مذکورہ ایک لاکھ روپے طلب کئے تو اُس نے کہا کہ نہ ہی میں مہر ادا کروں گا اور نہ ہی ایک لاکھ روپے دوں گا اور جواز کے طور پر کہتا ہے کہ مرد طلاق میں آزاد ہے اُس پر کسی قسم کی شرط عائد نہیں کی جا سکتی اِس لئے میں عائد کردہ شرط کے ایک لاکھ روپے ادا نہیں کروں گا کیونکہ یہ غیر شرعی ہے۔

حضورِ والا سے گذارش ہے کہ اوّل لڑکے نے رضاکارانہ طور پر بخوشی شرط قبول کی، دوم قرآنِ کریم کے پندرہویں پارے کے چوتھے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے

فرمایا کہ "وعدہ پورا کرو کیونکہ کہ تم سے وعدے کے متعلق سُوال کیا جائے گا"۔

اِس لئے مذکورہ مسئلہ میں فتویٰ مفصّل طور پر درکار ہے۔ امید ہے کہ آپ قرآن وحدیث کے حوالے سے فتویٰ مرحمت فرمائیں گے۔ عین نوازش ہو گی۔

(سائل: ڈاکٹر عبد الرحمن دانش، محلّہ محمّدی پورہ، شہداد پور، ضلع سانگھڑ)

باسمہ تعالیٰ وتقدّس الجواب: طلاق دینے کی صُورت میں مَرد پر مال لازم کرنا یہ تعزیر بالمال (یعنی مالی جرمانے) ہے اور تعزیر بالمال منسوخ ہے اور منسوخ پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔

چنانچہ تعزیر بالمال کے متعلق علّامہ معین الدین محمد بن عبد اللہ ہروی حنفی متوفی ۹۵۴ھ لکھتے ہیں: وفی مشکل الآثار: التعزِیر بالمال کان فی ابتداء الإسلام ثمّ نسخ. ❶

یعنی: تعزیر بالمال ابتدائے اسلام میں جائز تھی پھر منسوخ کر دی گئی۔

اور منسوخ پر عمل کے ناجائز ہونے کے متعلق شمس الآئمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں: لَیس لَه أنْ یعمَل بِالمَنسُوخ. ❷

یعنی: منسوخ پر عمل جائز نہیں ہے۔

اور ملّا علی بن سلطان قاری ہروی حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں: لَا یُعْمَلُ بِالْمَنْسُوخِ. ❸

یعنی: منسوخ پر عمل نہیں کیا جائے گا۔

---

❶ شرح ملّا مسکین علی الکنز، کتاب الحدود، فصل فی التعزیر، ۱/ ۲۵۵

❷ المبسوط، کتاب الحجر، الفصل الثانی لایباع علی المدیون ماله

❸ مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، کتاب العلم، تحت قوله: یصدق بعضه بعضاً، برقم: ۲۳۷، ۱/ ۳۱۲

اور فقیہِ ملّت مفتی جلال الدین احمد امجدی حنفی متوفی ۱۴۲۲ھ لکھتے ہیں: مالی سزا دینا کہ اُن سے کچھ روپیہ پیسہ وُصول کرنا جائز نہیں۔ ❶

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

السبت ۲۰ رجب المرجب ۱٤۲۳ھ، ۲۸ ستمبر ۲۰۰۲م JIA-318

## لڑکے کا شیعہ لڑکی سے پڑھائے گئے نکاح اور لاعلمی میں پڑھانے والے نکاح خواں کا حکم

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین و مُفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ ہماری مسجد کے خطیب و امام و نکاح خواں نے ایک سنی کا نکاح شیعہ لڑکی سے پڑھا دیا، نکاح کے وقت اُن کے علم میں یہ بات نہیں تھی کہ لڑکی شیعہ ہے بعد میں پتہ چلا۔ اِس نکاح کے بارے میں کیا حکم ہے؟ نیز بغیر تحقیق کے امام صاحب نے نکاح پڑھایا اِس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ (سائل: حبیب اللہ صدیقی، ملیر، کراچی)

باسمہ تعالیٰ و تقدّس الجواب: ایسا نکاح باطل ہے، وہ دونوں آپس میں میاں، بیوی نہیں ہیں؛ کیونکہ عُلمائے اہلسنّت فرماتے ہیں کہ شیعوں کے قرآن مجید کو ناقص ماننے، حضرتِ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت و صحابیت کا انکار کرنے اور حضرتِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بارے میں تبلیغ دین میں تقیہ کرنے کا اعتقاد رکھنے کی وجہ سے کافر و مرتد ہیں اور کافر و مرتد کا کسی سے بھی نکاح نہیں ہو سکتا۔

---

❶ فتاویٰ فیض الرسول، کتاب الحظر والاباحۃ، ۲/ ۵۵۰

جیسا کہ امامِ اہلسنّت امام احمد رضا خان حنفی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں: شیعہ کہ منکرِ ضروریاتِ دین ہوں: مثلاً قرآنِ مجید کو ناقص بتائیں، بیاضِ عثمانی کہیں یا امیر المومنین مولیٰ علی کرّم اللہ وجہہ الکریم خواہ دیگر ائمہ اَطہار کو انبیاءِ سابقین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم خواہ کسی ایک نبی سے افضل جانیں یا ربّ العزّت جلّ وعلا پر بدع یعنی حکم دیکر پشیمان ہونا، پچتا کر بدل دینا یا پہلے مصلحت کا علم نہ ہونا بعد کو مطلع ہو کر تبدیل کرنا مانیں یا حضور پُر نور سید المرسلین صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تبلیغ دینِ متین میں تقیہ کی تہمت رکھیں اِلٰی غیر ذٰلک من الکُفریّات (اِس کے علاوہ دیگر کفریات) پر یہ لوگ یقیناً قطعاً اجماعاً کافر مطلق ہیں اور اِن کے احکام مثلِ مرتد۔ آج کل کے اکثر بلکہ تمام رفّاض تبرائی اِسی قسم کے ہیں کہ وہ عقیدۂ کفریہ سابقہ میں اُن کے عالم، جاہل، مرد عورت سب شریک ہیں۔ اِلّا ماشاءاللہ ❶

اور صدر الشریعہ محمد امجد علی اعظمی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں: روافض زمانہ بوجوہ کثیرہ کافر مرتد ہیں سنیہ سے ہرگز کسی رافضی کا نکاح نہیں ہو سکتا اگر کیا جائے گا باطلِ محض وزنائے خالص ہوگا۔ ❷

اور مفتیِ اعظم پاکستان مفتی محمد وقار الدین قادری متوفی ۱۴۱۳ھ لکھتے ہیں: اِس زمانے کے شیعہ خُلفائے ثلاثہ کی خلافت کا انکار کرتے ہیں، اُن پر اور دوسرے صحابہ پر ''تبرّاء'' کرتے ہیں، لہٰذا کسی سُنّی لڑکے کا شیعہ لڑکی سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ جو نکاح ہوا

---

❶ فتاویٰ رضویہ، کتاب النکاح، باب المحرمات، ۱۱/۳۲۵

❷ فتاویٰ امجدیہ، کتاب النکاح، ۲/۵۷

ہے،وہ باطل ہے۔اِن کو فوراً جُدا ہو جانا چاہیے۔شیعہ لڑکی اگراب سُنّی ہونے کااقرار بھی کرتی ہے تو جو نکاح پہلے ہوا،وہ باطل ہو چکا،وہ اِس اقرار سے صحیح نہیں ہو گا۔ (1)

اور ایک مقام پر فرماتے ہیں: شیعہ لڑکے سے سنی لڑکی کا نکاح باطل ہے۔ اس لیے کہ شیعہ آج کل عام طور پر تبرائی اور حضرت ابو بکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کے منکر ہیں اور ان ہستیوں کی سب و شتم کرنے والے ہیں ۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر قذف (تہمت) لگانے والے ہیں۔ تفضیلی شیعہ کا بھی یہی حکم ہے۔ ان تمام عقائد کو عالمگیری وشامی وغیرہ کتب فقہ میں کفریات میں شمار کیاہے اور کسی کافر سے کسی مسلمان کا نکاح نہیں ہو سکتا۔شیعہ کے یہاں "تقیہ" یعنی جھوٹ بولنا فرض ہے، تفضیلی شیعہ کا بھی یہی حکم ہے۔یہ لوگ سنی لڑکی سے شادی کرنے کے لیے جھوٹ بول کر اپنے آپ کو تفضیلی بتاتے ہیں اس لیے ان کے قول کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ (2)

## بلا تحقیق نکاح پڑھانے والے کا حکم:

جبکہ بد عقیدگی اور گمراہی عام ہو رہی ہے اور سُنّی عوام کا بڑا حصہ عقیدے کی تحقیق کئے بغیر رشتہ طے کر دیتا ہے،تو نکاح خواں پر لازم ہے کہ وہ نکاح سے قبل کسی مناسب طریقے سے اُن کے عقائد معلوم کرلے کہ حرام کاری میں تعاوُن کرنے والا نہ

(1) وقار الفتاویٰ، کتاب النکاح، کفو کا بیان، سنی لڑکے کا شیعہ لڑکی سے نکاح کا حکم، ۳/۳۱

(2) وقار الفتاویٰ، کتاب النکاح، کفو کا بیان، سنی لڑکے کا شیعہ لڑکی سے نکاح کا حکم، ۳/۳۱

بن جائے۔

چنانچہ قرآنِ مجید میں ہے:﴿وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ﴾❶

ترجمہ: اور نیکی و پرہیز گاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ دو۔ (کنز الایمان)

**لہٰذا نکاح پڑھانے والے کو چاہئے کہ نادانی میں اُن سے جو فعل سرزد ہو گیا ہے اس سے توبہ کریں۔**

چنانچہ قرآنِ مجید میں ہے:﴿كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ اَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ(۵۴)﴾❷

ترجمہ: تمہارے ربّ نے اپنے ذمۂ کرم پر رحمت لازم کرلی ہے کہ تم میں جو نادانی سے کچھ بُرائی کر بیٹھے پھر اس کے بعد توبہ کرے اور سنور جائے تو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (کنز الایمان)

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

الإثنين ۲۲ رجب المرجب ۱۴۲۳ھ، ۳۰ ستمبر ۲۰۰۲م JIA-320

---

❶ المائدة: ۵/ ۲

❷ الأنعام: ۶/ ۵۴

# بیوی کی طرف سے طلاق کا مطالبہ

الاستفتاء: کیافرماتے ہیں عُلمائے دین ومفتیانِ شرع متین اِس مسئلہ کے بارے میں کہ میری مسمّات حمیراء بنتِ زین العابدین سے 22-05-2011 کوشادی ہوئی، شادی کے چند ماہ بعد ہی نااتفاقی کا آغاز ہو گیا اور ایک روز میری بیوی گھر سے جھگڑا کر کے خود ہی اپنے والد کے ہاں چلی گئی اور بار بار تقاضے کے باوجود نہ آئی اور نہ ہی اُس کے والد نے آنے دیا اور وہ مسلسل طلاق کا مطالبہ کرنے لگے اور میں اِس پر رہا کہ اگر طلاق چاہیے، تو خلع مانگو میں دے دوں گا، بالآخر ایک وکیل سے میں نے طلاق نامہ تیار کرنے کو کہا اُس نے میری بیوی کے نام تین طلاقیں لکھ کر پیپر مجھے دے دیئے میں نے اُس پر دستخط نہ کئے اور پیپر چونکہ انگلش میں تھے میں پڑھنا نہ جانتا تھا اور نہ سمجھ سکا کہ اِس میں کتنی طلاقیں تحریر ہیں، کافی عرصہ وہ پیپر میرے پاس پڑے رہے، اِسی دوران مجھے اِس بات کا علم ہو گیا کہ اُن میں تین طلاقیں تحریر کی گئی ہیں، اِس پر میں نے نہ وکیل پر اعتراض کیا کہ تم نے کیا کیا؟ تین طلاقیں لکھ کر مجھے دے دیں اور نہ ہی اُن میں تبدیلی کی، نہ ہی کروائی، پھر ایک دن میں نے بیوی کے بار بار مطالبے پر وکیل کے مشورے سے بلا دستخط وہ اصل پیپر اپنی بیوی کو بھیج دیئے۔

اَب سوال یہ ہے کہ طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اگر ہوئی تو کونسی اور کتنی؟ اور طلاق واقع ہونے کی صُورت میں اُس جہیز کا کیا حکم ہے جو وہ شادی میں اپنے ساتھ لے کر آئی تھی اور اُس زیور وغیرہ کا کیا حکم ہو گا جو ہم نے بری میں اُسے دیا تھا۔ یاد

رہے اِسی دوران میری بیوی کے ہاں ایک بچی بھی پیدا ہوئی ہے، وہ کس کے پاس رہے گی؟ (سائل: محمد آصف، بولٹن مارکیٹ، کراچی)

باسمه تعالیٰ وتقدّس الجواب: صُورتِ مسئولہ میں تین طلاقیں واقع ہوگئیں۔

چنانچہ علّامہ نظام الدین حنفی متوفی ۱۰۹۲ھ اور عُلمائے ہند کی ایک جماعت نے لکھاہے: وأقرَّ الزوج أنّه كتابُه فإنّ الطلاقَ يقع عليها. (1)

یعنی: اور شوہر اقرار کرے کہ یہ اُس کا خط ہے، تو عورت پر طلاق واقع ہو جائے گی۔

اور علّامہ عالم بن علا اندرپتی دہلوی حنفی متوفی ۷۸۶ھ لکھتے ہیں: كلّ كتاب لم يكتبه بخطّه ولم يمله بنفسه لا يقع به الطلاق إذا لم يقر أنّه كتابه. (2)

یعنی: ہر وہ تحریر جو اُس نے اپنے خط سے نہ لکھی ہو اور نہ خود املاء کرائی ہو، تو اُس سے طلاق واقع نہ ہوگی جب تک کہ وہ اقرار نہ کرلے کہ یہ اُسی کی ہے۔

اور مفتی محمد خلیل خان قادری متوفی ۱۴۰۵ھ لکھتے ہیں: تحریر سے طلاق کے ثبوت میں یہ ضروری ہے کہ شوہر اقرار کرے کہ میں نے لکھی ہے یا لکھوائی ہے یا عورت اِس پر گواہ پیش کرے۔ (3)

---

(1) الفتاوى الهندية، كتاب الطلاق، الفصل السادس في الطلاق بالكتابة، ١/ ٣٧٩

(2) الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الطلاق، الفصل السادس في إيقاع الطلاق بالكتاب، ٤/ ٥٣١

(3) فتاویٰ خلیلیہ، باب الطلاق، تحریری طلاق، ۲/ ۲۲۴

اور یہاں شوہر نے وکیل سے اپنی بیوی کو طلاق لکھنے کا کہا اور وکیل نے تین طلاقیں لکھ دیں اور پیپر شوہر کے ہاتھ میں دے دیئے بقول شوہر کہ وکیل نے اُسے پڑھ کر نہیں سنایا کہ اُسے معلوم ہوسکے کہ اس میں کتنی طلاقیں تحریر ہیں اور نہ ہی اس سے اِس پر دستخط لئے گواہوں کے دستخط کروا دیئے، پھر شوہر نے اُسے اپنے پاس رکھ لیا کچھ عرصے بعد اُسے علم ہو گیا کہ اِس میں تین طلاقیں تحریر ہیں اور اُس نے وکیل کے پاس جاکر تین کا انکار کرنے کی بجائے وہی پیپر بیوی کو بھیج دیئے اِس کا صاف مطلب یہی ہے کہ شوہر نے بیوی کو تین طلاقیں بھیجیں ہیں اور دستخط نہ کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا طلاقیں واقع ہو گئیں۔

اور اگر اُس نے ایک طلاق کا کہا ہوتا اور وکیل نے تین لکھ دی ہوتیں، تو ایک واقع ہوتی، یہاں نہ شوہر نے ایک طلاق لکھنے کی تصریح کی اور نہ ہی تین پر اطلاع پانے پر وکیل کی طرف مُراجعت کی کہ میں نے تجھے ایک طلاق کا کہا تھا یا میں تو صرف ایک طلاق دینا چاہتا تھا تو نے تو تین لکھ دیں اِنہیں درست کرو، اگر اس نے ایسا کیا ہوتا تو صرف ایک طلاق واقع ہوتی۔

لہٰذا جب شوہر طلاق لکھوانے اور تین طلاقوں کی تحریر بیوی کو طلاق کے نظریہ سے بھیجنے کا مُقِرّ ہے تو مذکورہ عورت اپنے شوہر پر حُرمتِ مغلّظہ کے ساتھ حرام ہو گئی کہ بے حلالہ شرعیّہ دوبارہ حلال نہ ہو گی۔

چناچہ قرآنِ کریم میں ہے: فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى

تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ. ❶

ترجمہ: پھر اگر تیسری طلاق اُسے دے دی تو اب وہ عورت اُسے حلال نہ ہو گی، جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے۔ (کنزالایمان)

مذکورہ آیتِ مبارکہ کے تحت صدرالافاضل سید محمد نعیم الدین مرادآبادی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں: مسئلہ: تین طلاقوں کے بعد عورت شوہر پر بحُرمتِ مغلّظہ حرام ہو جاتی ہے اَب نہ اُس سے رُجوع ہو سکتا ہے نہ دوبارہ نکاح جب تک کہ حلالہ نہ ہو یعنی بعدِ عدّت دوسرے سے نکاح کرے اور وہ بعدِ صحبت طلاق دے پھر عدّت گزرے۔ ❷

اور یہی مسئلہ فُقہائے کرام نے اپنی اپنی کُتب میں تحریر فرمایا ہے۔

چنانچہ علّامہ نظام الدین اور عُلماء ہند کی ایک جماعت نے لکھا ہے: رَجل استكتَب من رجلٍ آخر إلى امرأته كتاباً بطلاقها وقَرأه على الزَوج فأخذه وطوَاه وختم وكتب في عُنوانه وبَعث به إلى امرأته فأتاها الكتاب وأقرَّ الزوج أنّه كتابُه فإنّ الطلاقَ يقع عليها. ❸

یعنی: کسی شخص نے اپنی عورت کو بھیجنے کے لیے دوسرے سے طلاق نامہ لکھوایا پھر اُس لکھنے والے نے شوہر کو پڑھ کر سُنایا شوہر نے اُسے لے کر، لپیٹ کر مہر

---

❶ البقرة: ۲/ ۲۳۰

❷ خزائن العرفان، سورۃ البقرۃ، تحت الآیۃ: ۲۳۰، ص ۷۸

❸ الفتاوی الهندية، كتاب الطلاق، الفصل السادس في الطلاق بالكتابة، ۱/ ۳۷۹

لگادی اور عُنوان لکھ کر اپنی عورت کی طرف بھیج دیا پھر عورت کے پاس خط آیا اور مرد اِس کا اقرار بھی کرتا ہے کہ یہ اُسی کا خط ہے تو اِس صُورت میں طلاق واقع ہو جائے گی۔

اور جہیز خالص بیوی کا حق ہے، اُس کی ملکیت ہے، جو اُسے واپس کیا جائے گا،؛ کیونکہ جہیز دینے کے بعد والد بھی واپس نہیں لے سکتا۔

اِسی طرح علّامہ نظام الدین اور عُلماء ہند کی ایک جماعت نے لکھا ہے:
لَوجهز ابنتَه وسلّمه إليها ليسَ له في الاستِحسان استرداده مِنها وعليه الفتوىٰ.❶

یعنی: اگر اپنی بیٹی کو جہیز دیا اور اُس کے سپرد کر دیا تو وہ استحساناً واپس نہیں لے سکتا اور اِسی پر فتویٰ ہے۔

اِسی طرح مفتی وقارالدین قادری حنفی متوفی ۱۴۱۳ھ لکھتے ہیں: شادی کے وقت دونوں جانب سے زیورات، جہیز کا سامان اور کپڑے وغیرہ لڑکی کو دیئے جاتے ہیں، اُن سب کی مالکہ لڑکی ہے۔ شوہر یا اُس کے گھر والے اُس سامان کے مالک نہیں ہوسکتے صرف وہ چیزیں جو شوہر کو شادی کے موقع پر دی گئیں تھیں مثلاً: گھڑی، انگوٹھی وغیرہ اُس کا مالک وہ ہے۔❷

---

❶ الفتاوىٰ الهنديه، كتاب النكاح، الباب السابع في المهر، الفصل السادس عشر في جهاز البنت ١/ ٣٢٧

❷ وقار الفتاویٰ، میاں بیوی کے حقوق کا بیان، بیوی کے نفقہ اور سامان جہیز کی ملکیت کا حکم، ۳/ ۲۴۷

جب باپ ہی واپس نہیں لے سکتا تو شوہر بطریقِ اَولیٰ اُس پر قبضہ نہیں کر سکتا؛ کیونکہ وہ خالص بیوی کی ملکیت ہے۔

اور جو زیور شوہر نے بَری میں دیا تھا اُس کا حکم یہ ہے کہ اگر برادری کا رواج ہے کہ وہ مالک بنا کر دیتے ہیں، تو وہ بیوی کا ہوگا اور اگر مالک بنا کر نہیں دیتے اور شوہر نے صراحتاً ہبہ بھی نہیں کیا، تو وہ شوہر کی مِلک ہے بیوی کا اُس پر کوئی حق نہیں، اگر لے گئی ہو تو واپس کرنا لازم ہے اور ہمارے یہاں اکثر یہی ہوتا ہے کہ جب طلاق واقع ہو جائے تو لڑکے والے اپنا زیور واپس لے لیتے ہیں جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ مالک بنا کر نہیں دیتے، ایسی صُورت میں بیوی کی ملکیت کے ثبوت کے لئے ہبہ صراحۃً ضروری ہے ورنہ وہ اُس کی حقدار نہ ہوگی، تفصیل کے لئے "فتاوی رضویہ" (1) کا مطالعہ کیجئے۔

اور امامِ اہلسنّت امام احمد رضا خان حنفی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں: فی "ردِّالمحتار" كُل أحد يَعلم أنّ الجِهازملك المرأة وإنّه إذا طلّقها تاخذه كُله وإذاماتَت يُورث عنها ولايختصّ بشئ منه والله تعالىٰ أعلم. (2)

یعنی: "ردّالمحتار" (3) میں ہے کہ ہر شخص جانتا ہے کہ جہیز عورت کی

---

(1) فتاوی رضویہ، کتاب الجہاز، ۱۲/ ۲۰۱ تا ۲۲۷

(2) فتاوی رضویہ، باب الجہاز، ۱۲/ ۲۰۱

(3) ردّالمحتار علی الدّرالمختار، كتاب النكاح، مَطْلبٌ: فِي دعوَى الأَب أَنَّ الجهَازَ عَارِيَة، ٤/ ٣٠٩

ملکیت ہوتا ہے اور جب شوہر اُس کو طلاق دے دے وہ تمام جہیز لے لے گی اور عورت مَر جائے تو وہ اُس کی میراث ہوگا، اُس میں سے اپنے لئے کچھ مختص نہیں کر سکتا۔

بچی کی پرورش کا حق والدہ کو ہے، وہ اگر پرورش نہ کرے یا بچی کے غیر محرم سے شادی کرلے، تو یہ حق نانی کی طرف منتقل ہو جائے گا وہ بھی نہ رکھے یا فوت ہو جائے تو یہ حق بچی کی دادی کی طرف منتقل ہو گا، دادی کے بعد خالہ، اُس کے بعد پھوپھی اور بچی اگر ماں اور نانی کے پاس ہو تو بلوغت تک رہے گی اِس کے بعد باپ کو ملے گی۔

چنانچہ علّامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد ابنِ ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں اور اُن کے حوالے سے علّامہ نظام الدین حنفی اور عُلماءِ ہند کی ایک جماعت نے لکھا ہے:إنْ لم يَكن له أمّ تستحق الحضانة بأنْ كانت غير أهل للحضانة أو متزوجة بغَير محرم أو مَاتت فأمّ الأمِّ أولىٰ مِن كلّ واحِدة وَإنْ علَت فإنْ لم يَكن لِلأمّ أمّ فأم الأب أولىٰ ممّن سِواها وَإنْ علت كَذا "فی فتح القدير" (1)

یعنی: اگر بچے کی پرورش کی مستحق ماں نہ ہو اِس طرح کہ وہ پرورش کی اہل ہی نہ ہو یا اُس نے بچی کے غیر محرم سے نکاح کرلیا ہو یا وفات پا گئی ہو تو نانی ہر ایک سے زیادہ حق دار ہے اگرچہ اوپر تک ہو اور اگر نانی نہ ہو تو دادی دوسروں سے زیادہ حق دار

(1) الفتاوىٰ الهندية، كتاب الطلاق، باب السادس عشر في الحضانة، ١/ ٥٤١

ہے اگرچہ اوپر تک ہو اِسی طرح "فتح القدیر" ❶ میں ہے۔

اور علامہ مختار بن محمود بن محمد زاھدی حنفی متوفی ۶۵۹ھ لکھتے ہیں: اَلأمّ أحقّ بالصّغیرةوإن کانت سیئة السیرة مَعروفة بالفجورأوکانت مطَربة مالم یفعل ذالك وإذا افترَقا وتزوّج کل واحد منهما فَحضانة الصغیرة للأبِ إذالم تکن لَها من تکون لها الحضانة ولَوتزوّجت الأم بزوج آخروتمسك الصغِیرة معها أمّ الأمّ فی بیت الراب فَللاب أنْ یاخذها منها. ❷

یعنی: والدہ زیادہ حق دار ہے بچی کی اگرچہ بد اخلاق گنہگار یا بد لحاظ ہو جب تک کہ شادی نہ کرلے اور اگر دونوں الگ ہو جائیں اور اُن دونوں میں سے ہر ایک شادی کرلے تو بچی کی پرورش کا حق والد کا ہے جب تک کہ کوئی ایسا نہ ہو جس کو حقِ پرورش حاصل ہو اور اگر والدہ نے کسی دوسرے شوہر سے شادی کرلی اور بچی کو اپنے ساتھ روکے رکھا، نانی نے اپنے گھر میں تو والد کو یہ اختیار ہے کہ بچی کو اُس سے لے لے۔ ❸

والله تعالىٰ أعلم بالصواب

یوم الإثنین، ۱۹ صفر المظفر ۱۴۳۵ھ، ۲۳ دسمبر ۲۰۱۳ م JIA-1207

---

❶ فتح القدیر، کتاب الطلاق، باب الولد من أحق به، ٤/ ١٨٥

❷ القنیةالمنیة لتتمیم الغنیةللزاھدی، باب فی الحضانة، ق ۸۰-۸۱، مخطوط

❸ اور مفتی محمد حبیب اللہ نعیمی اشرفی حنفی متوفی 2011ء لکھتے ہیں: بچہ کی پرورش کا حق سب سے پہلے ماں کو حاصل ہے اور اگر ماں نہ ہو یا ہو لیکن حضانۃ (پرورش) کی اہلیت نہیں رکھتی ہو تو اس بچہ کی نانی، پرنانی وغیرہ پرورش کا حق رکھتی ہے اور جب ماں یا کسی درجہ کی نانی بھی مستحق پرورش نہ ہو تو پھر دادی کو حقِ پرورش حاصل ہوتا ہے۔ (حبیب الفتاویٰ، کتاب الطلاق، باب الحضانۃ، ۳/ ۶۰، مطبوعہ: شبیر برادرز، اردو بازار، لاہور)

# ایک طلاق سے نکاح کا حکم

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین ومفتیانِ شرع متین اِس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے شوہر نے چھ ماہ قبل مجھے ایک طلاق دی اور شوہر کے کہے ہوئے الفاظ یہ تھے: "میں تجھے طلاق دیتا ہوں"۔ اُس وقت میں ماہواری سے نہیں تھی، اب تک مجھ سے اُنہوں نے کوئی رابطہ نہیں کیا اور نہ ہی اُنہوں نے رابطہ کرنے کی کوشش کی، کیا اب طلاق واقع ہو چکی ہے جب کہ طلاق کے بعد تین ماہواریاں گزر چکی ہیں؟

(سائل: معرفت امین بھائی، کاغذی بازار، میٹھادر کراچی)

باسمه تعالیٰ و تقدّس الجواب: صُورتِ مسئولہ میں اگر دورانِ عدّت شوہر نے رُجوع نہ کیا ہو، تو نکاح ختم ہو چکا، بیوی اپنے شوہر کے نکاح سے نکل گئی اور وہ آزاد ہے، جہاں چاہے شادی کرے اور اگر اُسی شوہر سے دوبارہ نکاح کرنا چاہے تو بھی کر سکتی ہے مگر آئندہ اُسے صرف دو طلاق کا حق رہے گا؛ کیونکہ "میں تجھے طلاق دیتا ہوں" کہنے سے ایک طلاقِ رجعی واقع ہو جاتی ہے۔

چنانچہ علّامہ برہان الدین علی بن ابو بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ [1] اور علّامہ محمد بن عبداللہ بن احمد تمرتاشی حنفی متوفی ۱۰۰۴ھ [2] لکھتے ہیں: وطلّقتك فهٰذا يقع به الطلاق الرَّجعي. (واللّفظ للأول)

یعنی: "میں نے تجھے طلاق دی" کہنے سے طلاقِ رجعی واقع ہوتی ہے۔

---

1. الهداية شرح بداية المبتدي، كتاب الطلاق، باب إيقاع الطلاق، ١ / ٢٦٥
2. تنوير الأبصار، كتاب الطلاق، باب الصريح، ص ٢٠٧

اِسی طرح علّامہ ابو بکر بن علی حدّادی حنفی متوفی ۸۰۰ھ لکھتے ہیں:
وطلّقتك فھٰذا يقع به الطّلاق الرجعي. ❶

یعنی: "میں نے تجھے طلاق دی" کہنے سے طلاقِ رجعی واقع ہو جائے گی۔
اور رجعی طلاق واقع ہونے کے بعد شوہر اگر رُجوع نہ کرے تو نکاح ختم ہو جاتا ہے۔

چنانچہ امام علاؤالدین ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں: فَإن طلَّقها ولم يُراجعها بل تركَها حتّى انقضت عدّتها بانَت. ❷

یعنی: اگر شوہر نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور رُجوع نہ کیا بلکہ چھوڑے رکھا حتیٰ کہ اس کی عدت گزر گئی تو وہ عورت بائن ہو گئی (یعنی نکاح ختم ہو گیا)۔

اِسی طرح علّامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد ابنِ ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں: فوقوعُ الفرقة مؤجّلاً بانقضَاء العدّة في الرّجعي وبدونه في البَائن. ❸

یعنی: طلاقِ رجعی میں عدت کے مکمل ہونے کے بعد جُدائی واقع ہو گی اور طلاقِ بائن میں عدّت سے پہلے۔

اور علّامہ نظام الدین حنفی متوفی ۱۰۹۲ھ اور عُلمائے ہند کی ایک جماعت

---

❶ السراج الوهّاج، كتاب الطلاق، تحت قوله: بالصريح، ۳/ ۲۷۹/ ألف، مخطوط مصوّر
❷ بدائع الصنائع، كتاب الطلاق، فصل في حكم الطلاق، ۴/ ۳۸۷
❸ فتح القدير، كتاب الطلاق، باب طلاق السنة، ۳/ ۳۲۷

نے لکھاہے: فوُقوع الفرقة بانقضاء العدَّة فِي الرجعِي. ❶

یعنی: طلاقِ رجعی میں عدت کے مکمل ہونے کے ساتھ میاں بیوی کے مابین علیحدگی ہو جائے گی۔

اور اگر شوہر نے رُجوع کر لیا ہو اور اُس کے پاس اِس پر گواہ ہوں، تو نکاح بدستور قائم رہے گا اور آئندہ اُسے صرف دو طلاق کا حق رہے گا۔

یاد رہے کہ تین طلاقیں دینا ضروری نہیں ہے، نکاح ایک طلاق سے بھی ختم ہو جاتا ہے جب کہ بعدِ طلاق رُجوع کے بغیر عدّت گزر جائے اور تین طلاق اگر ایک ساتھ دی جائیں تو یہ گُناہ ہے۔

واللّٰہ تعالیٰ أعلم بالصواب

یوم الخمیس، ٢٤ رجب المرجب ١٤٣٦ھ، ١٤ مایو ٢٠١٥ م JIA-1240

## حالتِ حمل میں بیوی کو تین طلاق کا حکم

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین ومفتیانِ شرع متین اِس مسئلہ کے بارے میں شوہر نے اپنی بیوی سے مندرجہ ذیل کلمات کہے کہ "میں راشد سعید ولد محمد سعید ابھی اِسی وقت تمہیں طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں" اِس صُورت میں کیا حکم ہو گا جب کہ بیوی حاملہ بھی ہے، قرآن وسُنّت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں؟ (سائل: عبدالعلیم بن محمد سلیم، پی آئی بی کالونی، کراچی)

باسمہ تعالیٰ و تقدس الجواب: صُورتِ مسئولہ میں تین طلاقیں

❶ الفتاویٰ الھندیة، کتاب الطلاق، باب الأوّل فی تفسیرہ و رکنہ...الخ، ١/ ٣٤٨

واقع ہو گئیں اور بیوی اپنے شوہر پر حُرمتِ مغلّظہ کے ساتھ حرام ہو گئی اور بلا حلالہ شرعیہ دوبارہ حلال نہ ہو گی۔

چنانچہ قرآنِ کریم میں ہے: فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ. ❶

ترجمہ: پھر اگر تیسری طلاق اُسے دی تو اب وہ عورت اُسے حلال نہ ہو گی جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے۔ (کنزالایمان)

اور امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ اپنی سند سے حضرت ابنِ وہب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: أخبرَ رسولُ الله صلی الله علیه وسلم عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَه ثلاثَ تَطْلِيقَاتٍ جَمِيْعاً فَقَامَ غَضْبَاناً ثُمَّ قَالَ: أَيُلْعَبُ بِكِتَابِ الله وَأَنَا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ؟ حَتّٰى قَامَ رَجُلٌ وَقَالَ: يَا رَسُوْلَ الله أَلَا أَقْتُلُه؟ ❷

یعنی، حضرت ابنِ وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو ایک شخص کے متعلق خبر دی گئی کہ اُس نے اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاقیں دے دی ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم غضب ناک حالت میں کھڑے ہوئے اور فرمایا، کیا میرے سامنے کتاب اللہ کو کھیل بنایا جا رہا

❶ البقرة: ٢/ ٢٣٠

❷ سُنَن النسائی، کتاب الطّلاق، باب الثّلاث المجموعة... إلخ، برقم: ٣٣٩٨، ٥/ ٦/ ١٤٢
السُّنَن الكبرىٰ لِلنسائی، کتاب الطّلاق، باب الطّلاق الثّلاث المجموعة و مَا فِيه من التغليظ، برقم: ٥٥٩٤، ٣/ ٣٤٩

ہے حالانکہ میں تمہارے درمیان ہوں؟ یہاں تک کہ ایک مرد کھڑا ہوا اور اُس نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کیا میں اُسے قتل نہ کر دوں؟

لہٰذا اِس حدیث شریف میں تصریح ہے کہ اس شخص نے تینوں طلاقیں اکٹھی دی تھیں اور نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے انہیں ردّ نہیں فرمایا، بلکہ جاری فرما دیا۔ اِس حدیث شریف کو امام ابو بکر بن عربی معافری نے "القبس" ❶ میں، شمس الدین عمر بن احمد بن عبد الہادی مقدسی حنبلی متوفی ۷۴۴ھ نے "المحرّر فِی الحَدیث" ❷ میں اور حافظ دمشقی ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے اپنی "تفسیر ابن کثیر" ❸ میں روایت کیا ہے۔

لہٰذا بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دینے سے تین واقع ہو جاتی ہیں اور اس کا یہی مفہوم فُقہائے کرام نے بیان فرمایا ہے۔

چنانچہ امام برہان الدین ابو الحسن علی بن ابو بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں: و یُطلقُها للسنةِ ثلاثاً یفصلُ بین کلِّ تطلیقتَینِ بشهرٍ عِند أبِی حنفیةَ و أبِی یوسف رحمهما الله. ❹

یعنی: طلاقِ سنّت امامِ اعظم اور امام ابو یوسف کے نزدیک یہ ہے کہ شوہر تین طلاقیں دے اور ہر دو طلاق کے درمیان ایک مہینہ کا فاصلہ ہو۔

---

❶ فی شرح مؤطا ابن أنس، کتاب الطلاق، باب ماجاء فی البتة، ۱/ ۷۲۵

❷ کتاب الطلاق، برقم: ۱۰۵۸، ۱/ ۵۶۹

❸ سورۃ البقرہ: تحت قولہ: حدود الله فلا تعتدوها...إلخ، ۱/ ۳۶۹

❹ الهدایة شرح بدایة المبتدی، کتاب الطلاق، باب الطلاق السنة، ۵/ ۲۶۳

اور حاملہ عورت پر بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے اور اُس کی عدّت وضعِ حمل ہے۔

چنانچہ علّامہ شمس الدین ابو بکر محمد بن ابی سہل سرخسی حنفی متوفی ۴۸۴ھ لکھتے ہیں: وعدةُ الحاملِ ان تضعَ حملَها و لو وضعت حملَها بعد الطلاقِ بیومٍ. (1)

یعنی، حاملہ کی عدّت یہ ہے کہ وہ حمل جنے اگرچہ وہ طلاق کے ایک دن بعد ہی حمل جَن دے۔

جس طرح حائضہ پر طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

چنانچہ علّامہ شرف الدین ابو حفص عمر بن محمد بن عمر انصاری عَقیلی بخاری حنفی متوفی ۵۷۶ھ لکھتے ہیں: و إذا طلّق امرأته وهی حائض فَقدأخْطأ و وقَع. (2)

یعنی: اور جب مرد نے، عورت کو حالتِ حیض میں طلاق دی، تو اُس نے خطا کی اور طلاق واقع ہو گئی۔

اور تین طلاقیں ایک ساتھ دینا بدعت ہے اور طلاقِ بدعی نافذ ہو جاتی ہے، چاروں مذاہب (حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی) میں بیک وقت تین طلاقیں بیک مجلس

---

(1) المبسوط للسرخسی، کتاب الطلاق، ۳/ ۱۳

(2) المنهاج فی فقه الحنفية، كتاب الطلاق، ۲/ ۱۷۳، ضبط متنه وأعتنی به عمر مصطفیٰ أحمد ابراهيم، مخطوط مصور

یا بیک لفظ تین طلاقیں دینے سے تینوں لازم ہو جاتی ہیں، جمہور عُلماء کا بھی یہی نظریہ ہے۔

چنانچہ علّامہ عبد الرحمن جزیری متوفی ۱۳۶۰ھ لکھتے ہیں: و یحسبُ علیه الطلاقُ البدعيِ سواءٌ كانَ واحدٌ أو أكثر باتفاقِ الأئمّةِ الأربعةِ و خالفهم بعضَ الشواذِ الذينَ لا يعولُ على آرائِهم۔ ❶

یعنی: اگر کوئی شخص بدعی طلاق دے تو باتفاقِ آئمہ اربعہ (امام اعظم ابو حنیفہ، امام مالک، شافعی، احمد رضی اللہ عنہم) اِس پر دی ہوئی بدعی طلاق شمار کی جائے گی، چاہے ایک طلاق دے یا ایک سے زیادہ (دو یا تین) دے اور اِن کی صرف اُن لوگوں نے مخالفت کی جو جمہور سے الگ، حق سے جُدا ہو گئے کہ کوئی مسلمان اُن کی (مخالفِ قرآن وسنّت) آراء کی طرف مائل نہیں ہو گا۔

اور رئیس دار الافتاء النور شیخ الحدیث ڈاکٹر مفتی عطاء اللہ نعیمی حنفی لکھتے ہیں: طلاقِ بدعی دینا گناہ ہے اور دینے والا گنہگار ہے چاہے تینوں صُورتوں میں سے کسی صُورت پر بھی دے لہذا اگر طلاق دینا، ناگزیر ہو تو اَحسن یا حَسَن طریقہ پر دی جائے۔ یہی دو طریقے جواز کے ہیں اور تیسرا (طلاقِ بدعی) عدمِ جواز کا ہے اگرچہ اِس طریقے پر دی گئی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ ❷

---

❶ كتاب الفقه على المذاهب الأربعه، كتاب الطلاق، بحث ما يترتب على الطلاق البدعی من الأحكام، ٤/ ٢٩٩

❷ طلاقِ ثلاثہ کا شرعی حکم، طلاق کے معنی و اقسام، ص ۵۰

عوام کا یہ خیال غلط ہے کہ حالتِ حمل مین طلاق واقع نہیں ہوتی جس کا ثبوت قرآن کریم کی یہ آیتِ کریمہ ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ. [1]

ترجمہ: اور حمل والیوں کی میعاد یہ ہے کہ وہ اپنا حمل جَن لیں (کنز الایمان)۔

تو اگر حمل مانعِ طلاق ہوتا تو اُس کی میعادِ مقررہ کیونکر قرآن پاک میں ذِکر ہوتی فلہٰذا معلوم ہوا کہ راشد سعید نے جو طلاق دی ہے، اُس کی بیوی حُرمتِ مغلّظہ کے ساتھ اُس پر حرام ہوگئی ہے اور نکاح ختم ہوگیا ہے۔

نوٹ: تفصیل کے لئے ہماری کتاب "طلاقِ ثلاثہ کا شرعی حکم" اور فتاویٰ (JIA:27,100,672,1222) ملاحظہ فرمائیں۔

واللہ تعالی أعلم بالصواب

یوم الجمعة، ۱۱ جمادی الأولیٰ ۱٤۳۱ھ، ۲۳ إبریل ۲۰۱۰ م JIA-1039

## طلاق کے بعد رُجوع کے لئے عورت کی رضامندی ضروری ہے یا نہیں؟

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو دو طلاق رجعی دیں، اب وہ عدّت کے اندر رُجوع کرنا چاہتا ہے، کیا رُجوع کے لئے بیوی کی رِضامندی کی ضرورت ہوگی یا نہیں؟ جبکہ اِس سے قبل اُس نے کوئی طلاق نہیں دی ہے تو رُجوع کا طریقہ کیا ہے؟

---

[1] الطلاق: ٦٥/ ٤

(سائل:عبد اللہ، کراچی)

باسمہ تعالیٰ و تقدس الجواب: صُورتِ مسئولہ میں رُجوع کے لئے بیوی کی رضامندی ضروری نہیں ہے۔

چنانچہ قرآنِ کریم میں اللہ عزّوجل کا ارشاد ہے:اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ❶

ترجمہ: یہ طلاق (رجعی) دوبار تک ہے پھر بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے یا نکوئی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔ (کنز الایمان)

اور ایک مقام پر فرمایا:وَ بُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِیْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْۤا اِصْلَاحًا ❷

ترجمہ: اور اُن کے شوہروں کو اِس مدت کے اندر اُن کے پھیر لینے کا حق پہنچتا ہے اگر ملاپ چاہیں۔ (کنز الایمان)

مذکورہ آیت کی تفسیر میں صدرالافاضل سیّد نعیم الدین مرادآبادی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں: طلاقِ رجعی میں عدّت کے اندر عورت سے رُجوع کر سکتا ہے خواہ عورت راضی ہو یا نہ ہو۔❸

اور یہی فُقہائے احناف کا مذہب ہے۔

---

❶ البقرۃ:۲/ ۲۲۹

❷ البقرۃ:۲/ ۲۲۸

❸ تفسیر خزائن العرفان، سورۃ البقرۃ:۲/ ۲۲۸ص: تحت الآیۃ:۲۲۸

چنانچہ امام ابوالحسین احمد بن محمد قدوری حنفی متوفی۴۲۸ھ لکھتے ہیں:

إذاطلّق الرجلُ امرأته تطليقةً رجعيةأو تطليقَتين فله أن يراجِعها فى عدّتها رضيت بذٰلك أو لم تَرض. ❶

یعنی: جب مرد نے اپنی بیوی کو ایک طلاق رجعی یا دوطلاقیں رجعی دے دیں تو اُسے عدّت میں رجوع کرنے کا اختیار ہے عورت راضی ہو یاراضی نہ ہو۔

اور عدّت میں رُجوع کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ مرد، عورت سے جماع کرلے یااُس کے اعضاء کوشہوت سے چھولے یا شہوت سے اُس کے فرج کی طرف نظر کرلے۔

چنانچہ علّامہ علاؤالدین ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:و أمّا الفعل الدّال على الرجعةفهُوأن يجامعَهاأويمسّ شيئًامن أعضائِها لشهوَة أو ينظرَ إلى فرجها عن شَهوة. ❷

یعنی: اور رجعت پر دلالت کرنے والے فعل وہ یہ ہیں کہ اُس عورت سے مجامعت کرلے یا شہوت سے اُس کے اعضاء میں سے کسی کو چُھولے یا شہوت سے اس عورت کی فرج کی طرف نظر کرلے۔

اور حافظ الدین ابوالبرکات عبد اللہ بن احمد نسفی حنفی متوفی ۷۱۰ھ لکھتے ہیں

:تصحُّ فى العدّة إن لم يطلِّق ثلاثًاولولم ترضَ براجعتُكِ أوراجعتُ

---

❶ مختصر القدوری،کتاب الرجعة،ص ۱۵۹

❷ بدائع الصنائع،کتاب الطلاق،فصل فی رکن الرجعة، ۳/ ۱۸۳

امرأتی،وبمایوجبُ حرمۃَالمصاھرۃ.❶

یعنی: رُجوع کرنا عدّت میں صحیح ہے اگر تین طلاقیں نہ دی ہوں اگرچہ عورت راضی نہ ہو، اِن الفاظ کے ساتھ کہ "میں نے تجھ سے رُجوع کیا" یا "میں نے اپنی بیوی سے رُجوع کیا" اور اِن افعال کے ساتھ کہ جو سُسرالی حُرمت ثابت کرتے ہیں۔

اور امام فخر الدین عثمان بن علی زیلعی حنفی متوفی ۷۴۳ھ لکھتے ہیں: تصحّ الرّجعۃَإن لم یطلّق الزّوج امرأتَه الحرّۃ ثلاثاً بغیر رضاھَا بقوله: راجعتُكِ أوراجعتُ امرأتی أو بفعلٍ یُوجبُ حُرمۃَالمصاھرۃ کالوطء و القُبلۃوالّلمسِ والنّظرِ إلی داخلِ الفَرج بشھوۃٍ، أماصحتھا فثابت بالکتابِ والسنّۃِ وإجماع الأمّۃِ.❷

یعنی: عورت کی مرضی کے بغیر بھی رُجوع کرنا صحیح ہوگا اگر شوہر نے آزاد بیوی کو تین طلاقیں نہ دی ہوں اِن الفاظ کے ساتھ کہ "میں نے تجھ سے رُجوع کیا" یا "میں نے اپنی بیوی سے رجوع کیا" یاان افعال کے ساتھ کہ جو سسرالی حُرمت ثابت کرتے ہیں جیسے وطی اور بوسہ اور چھونا اور فرجِ داخل کی طرف شہوت کے ساتھ نظر کرنا، بہر حال رُجوع کی صحت کتاب وسنّت اور اجماعِ اُمت سے ثابت ہے۔

اِسی طرح علّامہ حسین ابن محمد حنفی متوفی ۷۴۶ھ لکھتے ہیں :یثبتُ

---

❶ کنزالدقائق،کتاب الطلاق،باب الرجعۃ،ص ۲۸۸

❷ تبیین الحقائق شرح کنزالدقائق، کتاب الطلاق، باب الرجعۃ،تحت قوله:تصح إن لم یطلق ثلاثاً...إلخ،۳/ ۱۴۹

الرّجعةبقول: راجعتُكِ ورجعتُكِ و ورَدَدْتُكِ و اَمْسَكْتُكِ لأنّه فرعٌ فيه وبِكُل فِعل يثبتُ به حُرمةالمصاهرةِمن الجانبَينِ كوَطْيِئهاو مسّها بشهوةٍونَظره إلى فرجِهابِشَهوةٍ.❶

یعنی: اِس قول سے بھی ثابت ہو جائے گی کہ "میں نے تجھ سے مراجعت کی"، "میں نے تجھ سے رُجوع کیا"، "میں نے تجھے لوٹایا"، "میں نے تجھے روک لیا"؛ کیونکہ یہ تمام اقوال رُجوع کرنے میں فرع ہیں اور ہر وہ فعل جو حُرمتِ مُصاہرت کو جانبین سے ثابت کرے (تواس سے بھی رُجوع ہو جائے گا) جیساکہ اُس خاتون سے وطی کر لینا یا اُسے شہوت سے چُھونا یا اُس کے فرجِ (داخل) کی طرف شہوت سے دیکھنا۔

لہٰذا عدّت میں رُجوع کے لئے اُسے عورت کی رضامندی کی ضرورت نہیں ہے البتہ اگر عدّت گزر گئی تو اب اُسے رُجوع کرنے کا اختیار نہیں رہے گا۔

چنانچہ شارحِ قدوری علّامہ ابو بکر بن علی حدّادی حنفی متوفی ۸۰۰ھ لکھتے ہیں: إنّما شرط بقَاؤها فى العدّة لأنهَاإذا انقضَت زال الملكُ وحقوقُه فَلاتصحّ الرّجعةبعدذٰلك.❷

یعنی: رجعت کی بقاء کے لئے شرط یہ ہے کہ دورانِ عدّت ہو؛ کیونکہ جب عدّت پوری ہو گئی ہے تو مِلک اور اُس کے حقوق زائل ہو جاتے ہیں لہٰذا اُس کے بعد رجعت درست نہیں ہوتی۔

---

❶ خزانة المفتين، كتاب الطلاق، فصل فى الرجعة، ص ١٩٩، مخطوط مصوّر

❷ الجوهرة النيرةشرح القدورى، كتاب الرجعة، تحت قوله: وإذا طلّق الرّجل امرأته...إلخ، ٢/ ١٩٧

اور جب عدّت پوری ہو جاتی ہے تو نکاح زائل ہو جاتا ہے، اُس کے بعد اگر وہ دونوں میاں بیوی کی حیثیت سے رہنا چاہیں تو نئے مہر کے تقرر کے ساتھ نکاح کی ضرورت ہوتی ہے اور نکاح کے لئے عورت کی رضامندی ضروری ہوتی ہے۔

اور دونوں صورتوں میں شوہر کو آئندہ صرف ایک طلاق کا حق رہے گا جب بھی وہ ایک طلاق دے گا تو سابقہ دو کے ساتھ مل کر مغلّظہ ہو جائے گی پھر بغیر حلالہ شرعیہ حلال نہ ہو گی۔

چنانچہ قرآنِ کریم میں ہے: فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَیْرَهٗ. (1)

ترجمہ: پھر اگر تیسری طلاق اسے دی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہو گی جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے۔ (کنز الایمان)

واللہ تعالٰی أعلم بالصواب

۲۸ ربیع الأول ۱٤۳۹ھ، ۱۷ دیسمبر ۲۰۱۷م JIA-1267

## کورٹ کی خُلع کا حکم

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ لڑکی والوں نے کورٹ میں خلع کی درخواست دی جس پر مقدمہ چلایا گیا اور کورٹ کی طرف سے شوہر کو نوٹس جاری ہوئے لیکن وہ کورٹ نہیں آئے جس پر جج صاحب نے بیوی کو خُلع کی ڈگری جاری کر دی۔ شوہر نے نہ تو طلاق دی اور نہ ہی طلاق یا خُلع

(1) البقرۃ: ۲/ ۲۳۰

کے کسی کاغذ پر دستخط کیے، شرعاً اِس کا کیا حکم ہے؟ (سائل: عزیز، گارڈن، کراچی)

باسمہ تعالیٰ و تقدّس الجواب: قوانینِ شرعیہ کی رُو سے طلاق کا حق صرف شوہر کو حاصل ہے، اُس کے دیئے بغیر طلاق واقع نہیں ہو گی چنانچہ صُورتِ مسئولہ میں بر تقدیرِ صدقِ سائل اگر واقعی کبھی شوہر نے زبانی یا تحریری طلاق نہیں دی، تو صرف کورٹ کے خُلع کی ڈگری جاری کرنے سے طلاق واقع نہیں ہو گی، لہٰذا دونوں میاں بیوی ایک ساتھ زندگی گزار سکتے ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے: الَّذِیْ بِیَدِهٖ عُقْدَةُ النِّکَاحِ. (1)

ترجمہ: (شوہر) جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔ (کنز الایمان)

اور امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: إِنَّمَا الطَّلَاقُ لِمَنْ أَخَذَ بِالسَّاقِ. (2)

یعنی: طلاق کا حق صرف اُسے ہے جسے پنڈلی تھامنے کا حق ہے (اور وہ صرف شوہر ہے)۔

اور حدیث پر عمل کرتے ہوئے فُقہائے کرام نے بھی یہی مسئلہ اپنی اپنی کُتُب میں بھی تحریر کیا ہے۔

---

(1) البقرۃ: ۲/ ۲۳۷

(2) سُنَن ابن ماجة، کتاب الطلاق، باب طلاق العبد، ۲/ ۵۳۸، رقم الحدیث: ۲۰۸۱

چنانچہ امام ابوالحسین احمد بن محمد قدوری حنفی متوفی ۴۲۸ھ ❶ اور امام ابو بکر بن علی حدّاد حنفی متوفی ۸۰۰ھ ❷ لکھتے ہیں: (وَ یقعُ طلاقُ کلِّ زوجٍ إذا کانَ بالغاً عاقلاً) سواء کان حرّاً أو عبداً.

یعنی: ہر اُس شخص کی طلاق واقع ہو جاتی ہے جو بالغ ہو عاقل ہو خواہ آزاد ہو یا غلام۔

اور علّامہ عالم بن علاء انصاری دہلوی حنفی متوفی ۷۸۶ھ لکھتے ہیں: وأمّا شرطُه فمن الزّوجِ کونُه عاقلاً بالغاً. ❸

یعنی: مرد کی جانب سے (طلاق) کی شرط یہ ہے کہ شوہر عاقل اور بالغ ہو۔

اور خُلع کے بارے میں اللہ عزّوجلّ کا ارشاد ہے: فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ. ❹

ترجمہ: اُن پر کچھ گناہ نہیں اُس میں جو بدلہ دے کر عورت چھٹی لے۔ (کنز الایمان)

مذکورہ آیت میں خُلع کی اجازت دی گئی ہے اور خُلع کی تعریف بیان کرتے ہوئے امامِ اہلسنّت امام احمد رضا خان حنفی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں: خُلع شرع میں اُسے کہتے ہیں کہ شوہر بَرضائے خود، مہر وغیرہ مال کے عوض عورت کو نکاح سے

---

❶ السّراج الوهاج شرح مختصر القدوری، کتاب الطلاق، ق۳٤۸، مخطوط مصور

❷ الجوهرة النیرة، کتاب الصّلوة، ۲/ ۱٦٤

❸ الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الطّلاق، ٤/ ۳۷۷

❹ البقرة: ۲/ ۲۲۹

جُدا کر دے۔ 1

اور علامہ جلال الدین احمد امجدی حنفی متوفی ۱۴۲۲ھ اِسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں: طلاق کا اختیار شوہر کو ہے نہ کہ کچہری کے مجسٹریٹ کو۔۔۔لہٰذا صورتِ مستفسرہ میں مجسٹریٹ کا نجمہ کے حق میں طلاق کا فیصلہ اور نکاحِ ثانی کی اجازت شرعاً لغو ہے۔ شوہر کی موت یا اُس سے طلاق حاصل کئے بغیر نجمہ کا دوسرا عقد کرنا حرام ہے۔ 2

نوٹ: خُلع کے بارے میں تفصیل کے لئے ہمارے فتویٰ (JIA:123) کا مطالعہ فرمائیں۔

واللہ تعالی أعلم بالصواب

JIA-1262 ۱۲ جمادی الآخر ۱۴۴۱ھ، ۶ فروری ۲۰۲۰ء

## غصے کی حالت میں طلاق کا حکم

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین و مُفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ شوہر غصہ میں بیوی کو طلاقیں دے دیتا ہے پھر اُسے خود صحیح یاد نہیں ہوتا کہ وہ غصے میں کتنی بار طلاق دے چکا ہے تو اُس صورت میں بعض لوگ جو وہاں موجود ہوتے ہیں بتاتے ہیں کہ تو نے ایک یا دو طلاقیں دیں ہیں، کیا اُس صورت میں اُن کا اعتبار کرے؟ آئندہ پوچھنے والے کو بتا سکتا ہے کہ میں نے اتنی

1 فتاویٰ رضویہ، کتاب الطلاق، ۱۳/ ۲۶۴

2 فتاویٰ فیض الرسول، کتاب الطلاق، ۲/ ۱۷۵

طلاقیں دی ہیں؟ (سائل: مولانا عباس مدنی زید شرفہ، کراچی)

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: ایسی صُورت میں شوہر وہاں موجود لوگوں کی بات کا اعتبار اُس وقت کر سکتا ہے جبکہ وہ عادل ہوں۔

چنانچہ علّامہ زین الدین بن ابراہیم ابنِ نُجیم حنفی متوفی ۹۷۰ھ لکھتے ہیں: وَإن أخبره عَدول حضَروا ذٰلِك المَجلِس بأنّهَا واحِدة و صدقَهم، أخذَ بقَولهم إنْ كَانوا عدُولاً. (1)

یعنی: اور اگر اُسے عادل لوگوں نے خبر دی جو وہاں اُس مجلس میں موجود تھے کہ اُس نے جو طلاق دی ہے وہ ایک ہے اور شوہر اُن کی تصدیق بھی کرے تو اُن کے قول کا اعتبار ہو گا اگر وہ عادل ہوں۔

جب اِس بات میں شک ہو دو طلاقیں یا تین طلاقیں تو اُس صُورت میں دو ہی طلاقیں مانی جائیں گی۔

چنانچہ علّامہ علاؤالدین محمد بن علی حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ (2) اور علّامہ سیّد محمد امین ابنِ عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ (3) لکھتے ہیں: (لَو شَكَ أطلَق وَاحِدةً أو أكثَر بَنى عَلى الأقلّ) إلّا أن يَستيقِن بِالأكثَر أوْ يَكون أكْبرَ ظنّه.

---

(1) الأشباه والنظائر، الفن الأوّل، القاعدة الثالثة، قاعدة: من شكّ هل فعل ...إلخ، ص٦١

(2) الأشباه والنظائر، الفن الأوّل، القاعدة الثالثة، قاعدة: من شكّ هل فعل ...إلخ، ص٦١

(3) الدّر المختار و حاشیہ ردّ المحتار، کتاب الطّلاق، باب الصّریح، مطلب فی قول الإمام: إیمانی کإیمان جبریل، ٤/٤٩٦

**یعنی: اِس میں شک ہے کہ ایک طلاق دی ہے یازیادہ توکم شمار کرے مگر جبکہ** شوہر کوزیادہ طلاق دینے کا یقین یا غالب گمان ہو (توپھر وہ اسی کا اعتبار کرے)۔

اور علامہ شامی لکھتے ہیں: إنْ كَان بحالٍ لَو غضَب يَجری علیٰ لسَانه مَالا يحفظُه بَعده جَازَ لهُ الاعتِماد علیٰ قَول الشَاهِدين. ❶

**یعنی: اگر اس کی حالت ایسی ہے کہ جب غصہ آتا ہے، تواُس کو یاد نہیں رہتا کہ غصہ کی حالت میں اُس کی زبان سے کیاالفاظ ادا ہوئے، تو جائز ہے اُس کے لئے کہ وہ دو گواہوں کے قول کا اعتبار کرے۔**

اور صدر الشریعہ محمد امجد علی اعظمی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں: **اُس مجلس میں جولوگ تھے وہ کہتے ہیں کہ ایک دی تھی اگر یہ لوگ عادل ہوں اور اِس بات میں انھیں سچاجانتاہو تو اعتبار کرلے۔** ❷

مزید تفصیل کے لئے ہمارے فتویٰ (JIA:217) کا مطالعہ فرمائیں۔

واللہ تعالی أعلم بالصواب

الجمعة، ۲۰ شعبان المعظم ۱٤۲٤ھ/ ۱۷اکتوبر ۲۰۰۳ء　　JIA-546

## غصے کی حالت میں طلاق دینا

الاستفتاء: کیافرماتے ہیں عُلمائے دین ومُفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ زید سے اُس کی بیوی نے بارہا طلاق کا مطالبہ کیا ایک روز اُس کا مطالبہ شدّت اختیار

---

❶ ردّالمحتارعلی الدّرالمختار،کتاب الطّلاق،مطلب فی طلاق المدهوش،تحت قوله: والمدهوش،٤/ ٤٤٠

❷ بہار شریعت، اضافت کا بیان، ۲/ ۸/ ۱۲۵

کر گیا حتی کہ اُس کی تائی جس نے اُسے پالا پوسا اور شادی بیاہ کیا تھا اُس نے بھی اُسے اِس مطالبہ سے روکنے کی کوشش کی مگر وہ باز نہ آئی، تو شوہر نے غُصّے میں آکر اُسے جواب میں اِس طرح کہا میں نے تجھے طلاق دی، میں نے تجھے طلاق دی، میں نے تجھے طلاق دی، جبکہ وہ بار بار یہی کہہ رہی تھی مجھے فیصلہ چاہیئے، تو کیا اِس صُورت میں طلاق واقع ہوگی کہ نہیں اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ غصّے کی حالت میں طلاق واقع نہ ہوگی۔ شریعتِ مطہرہ کی رُو سے یہ کس حد درست ہے؟

(سائل: محمود احمد ولد مُناخان، کراچی)

باسمه تعالی و تقدّس الجواب: صُورتِ مسئولہ میں تین طلاقیں مغلظہ واقع ہو گئیں اور وہ عورت زید پر حرام ہوگئی، بے حلالہ شرعیہ دوبارہ حلال نہ ہوگی۔

چنانچہ قرآن مجید میں ہے: فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ. [1]

ترجمہ: تو اب وہ عورت اُسے حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے۔ (کنزالایمان)

اور جہاں تک تعلق ہے اِس بات کا کہ بعض لوگ کہتے ہیں غصّے میں طلاق نہیں ہوتی اِس کا جواب یہ ہے کہ یہ وہ غصہ نہیں جس میں طلاق کے عدمِ وقوع کا قول درست ہو سکے کیونکہ سائل اُس وقت بھی اتنے ہوش و حواس میں تھا کہ اُسے اُس وقت کہے ہوئے اپنی بیوی کے الفاظ اور اپنے الفاظ مِن و عَن یاد ہیں جیسا کہ سائل نے

[1] البقرة: ٢/ ٢٣٠

زبانی پوچھنے پر خود بتایا ہے اور پھر طلاق دی ہی غصہ میں جاتی ہے، کیا پیار و محبت میں بھی کسی نے طلاق دی ہے؟ لہٰذا عمومی غصہ کی حالت میں طلاق کے عدمِ وُقوع کا مطلق قول درست نہیں اور زید کی بیوی کو تین طلاقیں واقع ہو گئیں۔

## غصّے کی حالت میں طلاق کا حکم:

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: لَا طَلَاقَ وَلَا عَتَاقَ فِي غِلَاقٍ. (1)

یعنی: اغلاق میں طلاق اور عتاق واقع نہیں ہوتے۔

"اغلاق" سے مراد "غصہ" ہے اور غصہ دو قسم کا ہوتا ہے، ایک معمولی غصہ جس میں طلاق واقع ہو جاتی ہے دوسرا غصہ اغلاق ہے یعنی وہ غصہ ہے جس میں عقل تکلیفی زائل ہو جائے مثلاً جنون اور پاگل پن تک پہنچا دے اور ایسے غصہ میں دی گئی طلاق واقع نہ ہو گی۔

چنانچہ امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابنِ ماجہ متوفی ۲۷۳ھ اپنی سند کے ساتھ حضرتِ علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قال: يُرْفَعُ الْقَلَمُ عَنِ الصَّغِيرِ وعَنِ الْمَجْنُونِ و عَنِ النَّائِمِ. (2)

---

(1) سُنن أبي داؤد، كتاب الطلاق، باب في الطلاقِ على غلط، برقم الحديث: ٢١٩٣، ٢/ ٤٤٦

(2) ابن ماجة، كتاب الطلاق، طلاق المعتوه، والصغير والنائم، برقم الحديث: ٢٠٤٢، ٢/ ٥١٧

یعنی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: صغیر (بچہ) اور مجنون اور سونے والے سے قلم اُٹھالیا جاتا ہے۔

اِس حدیث میں بھی ارشاد ہوا ہے کہ مجنون سے قلم اُٹھا لیا جاتا ہے، لہذا معلوم ہوا کہ غصہ اگر اِس قدر ہو کہ جنون اور پاگل پن تک پہنچ جائے تو طلاق واقع نہ ہو گی ورنہ دوسری صُورت یعنی ہوش وحواس قائم ہیں تو طلاق واقع ہو جائے گی۔

چنانچہ امام اہلسنت امام احمد رضا خان حنفی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں: غصہ مانع وُقوعِ طلاق نہیں بلکہ اکثر وہی طلاق پر حامل ہوتا ہے، تو اُسے مانع قرار دینا گویا حکمِ طلاق کا راساً اِبطال ہے۔ (1)

اور صدر الشریعہ محمد امجد علی اعظمی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں: طلاق اکثر غصے ہی میں ہوتی ہے اور غصہ میں جو طلاق دی جاتی ہے وہ واقع ہوتی ہے مگر جب کہ غصّہ اِس حد کا ہو کہ عقل تکلیفی زائل ہو جائے کہ غصہ کی شدت میں مجنون اور پاگل کی طرح ہو جائے کہ اُسے کچھ امتیاز ہی باقی نہ رہے۔۔۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر واقع میں اِس حد کا غصہ نہ ہو اور لوگوں پر یہ ظاہر کرتا ہے کہ مجھے بالکل خبر نہیں کہ کیا کہا تو اِس جھوٹے بیان سے مواخذۂ اُخروی سے بَری نہ ہو گا اور وہ بیان، طلاق کو عند اللہ منع نہ کرے گا۔ (2)

---

(1) فتاویٰ رضویہ، کتاب الطلاق، ۱۲/۳۸۳

(2) فتاویٰ امجدیہ، کتاب الطلاق، ۲/۱۹۷

لہذا جس وقت سائل نے طلاق دی اُسی وقت بھی اتنے ہوش وحواس میں تھا کہ اپنے الفاظ مکمل یاد ہیں جیسا کہ سائل نے زبانی پوچھنے پر خود بتادیا، لہذا طلاق واقع ہوگئی۔

واللہ تعالی أعلم بالصواب

الجمعة، صفر المظفر ۱۴۲۵ھ، ۲ ابریل ۲۰۰۴م JIA-612

## شوہر کا گھر چھوڑ جانے والی کا لوٹنے پر اُسے رکھنے یا طلاق دینے کا حکم

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین و مُفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ ہمارے ایک جاننے والے ہیں، ان کی بیوی ناراضگی کی وجہ سے گھر چھوڑ کر ایک آدمی کے ساتھ چلی گئی۔ ایک دو ہفتہ بعد دوبارہ آگئی پھر گھر کے زیورات اور رقم لیکر دوبارہ کچھ ٹائم رہنے کے بعد پنجاب چلی گئی۔ پہلی دفعہ آنے کے بعد معافی مانگی تھی لیکن پھر دوبارہ چلی گئی اور تقریباً ۴، ۵ ماہ بعد دوبارہ آئی۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ ۵، ۴ ماہ کسی اجنبی کے ساتھ بغیر کسی رشتہ کے رہنے کے بعد اب دوبارہ وہ واپس آگئی ہے تو کیا اُس کو رکھا جاسکتا ہے؟ اگر ہاں تو اس کا طریقہ کار کیا ہوگا؟

(سائل: حبیب اللہ صدیقی، ملیر، کراچی)

باسمہ تعالیٰ و تقدس الجواب: شوہر اگر مذکورہ عورت کو رکھنا چاہے تو رکھ سکتا ہے کہ اُس سے اِس کا نکاح قائم ہے۔ اگر نہ رکھنا چاہے تو طلاق دے کر الگ کردے اور عورت شرعاً مجرمہ ہے کہ اُس کا بلا اجازت شوہر کے گھر سے جانا گُناہ ہے اور بغیر اجازتِ شوہر، عورت کا گھر سے باہر نکلنا فرشتوں کی لعنت کا سبب ہے۔

چنانچہ امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ اپنی سند سے حضرت ابنِ

عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: وَلَاتَخْرُجِ مِنْ بَيْتِهِ إِلاَّ بِإِذْنِهِ، فَإِنْ فَعَلَتْ لَعَنَتْهَا الْمَلَائِكَةُ مَلَائِكَةُ الْغَضَبِ وَمَلَائِكَةُ الرَّحْمَةِ حَتّٰى تَتُوْبَ أَوْ تُرَاجِعَ" قِيْلَ: فَإِنْ كَانَ ظَالِماً قَالَ: وَإِنْ كَانَ ظَالِماً. 1

یعنی: عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر اُس کے گھر سے نہ نکلے، اگر ایسا کیا تو لوٹنے تک یا توبہ کرنے تک اُس پر غضب کے فرشتے اور رحمت کے فرشتے لعنت بھیجتے ہیں۔ عرض کی گئی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اگرچہ شوہر ظالم ہو پھر بھی؟ فرمایا: اگرچہ شوہر ظالم ہو پھر بھی۔

لہٰذا شوہر کو ناراض کرنا اور اُس کا گھر چھوڑنا نیز غیر محرم کے ساتھ رہنا سخت حرام اور گناہِ کبیرہ ہے، ایسی عورت سے توبہ کرائی جائے اور آئندہ غیر مردوں سے بات چیت و میل جول سے سختی سے روکا جائے۔

چنانچہ اِسی طرح ایک سُوال کے جواب میں فقیہِ مِلّت مفتی جلال الدین احمد امجدی حنفی متوفی ۱۴۲۲ھ لکھتے ہیں: زید، ہندہ کو بلا تجدید نکاح اپنی زوجیّت میں رکھ سکتاہے پھر چونکہ ہندہ نے شدید ترین فسق و عظیم ترین گُناہ کا ارتکاب کیا ہے اِس لئے اُس پر توبہ و استغفار فرض ہے۔ 2

اور ایک مقام پر لکھتے ہیں: جو عورت بھاگ گئی تھی پھر واپس آئی اُسے علانیہ

---

1 السُّنَن الکُبریٰ للبیھقی، کتاب القسم و النشوز، باب ماجاء فی بیان حقه علیھا، برقم الحدیث: ۱۴۷۱۳، ۷/ ۴۷۷

2 فتاویٰ فیض الرسول، کتاب الطلاق، ۲/ ۱۷۵

توبہ واستغفار کرایا جائے اور قرآن خوانی اور میلاد شریف اور دیگر کارِ خیر کرنے کی تلقین کی جائے اور اُس کا شوہر اگر عورت کی بد چلنی سے واقف تھا یا اُس کو اِدھر اُدھر آنے جانے کے لئے آزاد کر رکھا تھا، تو اسے بھی توبہ کرائی جائے۔ دوسرا لڑکا جو غیر عورت سے ناجائز تعلّق رکھتا ہے مسلمانوں کو چاہیے کہ حسبِ طاقت اُسے حرام کاری سے باز رکھنے کی کوشش کریں اور علانیہ توبہ واستغفار کرائیں اور اگر وہ حرام کاری سے باز نہ آئے اور توبہ واستغفار نہ کرے تو تمام مسلمان اُس کا بائیکاٹ کریں۔[1]

اور اگر وہ صدقِ دل سے توبہ کرلے، تو ایسی توبہ کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اتنی مقبولیت حاصل ہے کہ معصیّت سے چھٹکارے کے ساتھ اللہ تعالیٰ اُسے نیکیوں کی راہ پر گامزن فرمادیتا ہے۔

چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاُولٰٓىٕكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا﴾[2]

ترجمہ: تو ایسوں کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ بھلائیوں سے بدل دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (کنزالایمان)

مذکورہ آیتِ مبارکہ کا معنیٰ بیان کرتے ہوئے صدرالافاضل سیّد محمد نعیم الدین مرادآبادی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں: یعنی بدی کرنے کے بعد نیکی کی توفیق دے کر یا یہ معنیٰ کہ بدیوں کو توبہ سے مٹادے گا اور اُن کی جگہ ایمان وطاعت وغیرہ

[1] فتاویٰ فیض الرسول، کتاب الطلاق، ۲/۵۴۱

[2] الفرقان: ۲۵/ ۷۰

نیکیاں ثبت فرمائیگا۔[1]

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

الأربعاء ۲٤ رجب المرجب ۱٤۲۳ھ، ۲ اکتوبر ۲۰۰۲م JIA-321

## کسی چیز کو نقد اور اُدھار خریدنے کی قیمت میں فرق کا حکم

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین و مُفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ ہمارے یہاں رائج ہے کہ چیز، نقد اور اُدھار خریدنے میں قیمت میں فرق کیا جاتا ہے۔ فرض کریں کہ ایک شے کی قیمتِ نقد ساٹھ ہزار روپے ہے تو وہی چیز اگر قسطوں پر خریدی جائے تو ستر ہزار روپے میں ملتی ہے جبکہ قسطوں پر زیادہ قیمت پر خریدنے پر خریدار راضی ہوتا ہے، کیا اِس طرح کرنا اَزروئے شرع جائز ہے یا نہیں؟ (سائل: عبد اللہ، ملیر، کراچی)

باسمہ تعالیٰ و تقدّس الجواب: صُورتِ مسئولہ میں قسطوں پر شے خریدنا جائز ہے کہ جس میں نقد کی بہ نسبت قسطوں پر زیادہ رقم دینی پڑے اور وہ سودا جو باہمی رضامندی سے ہو، اُس سے ملنے والا نفع شرعاً جائز ہوتا ہے اور وہ سُود نہیں ہوتا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ۔[2]

ترجمہ: اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق نہ کھاؤ مگر یہ کہ

---

[1] خزائن العرفان علی هامش کنز الایمان، سورة الفرقان، تحت الآیة: ۷۰، ص۶۷۹

[2] النساء: ٤/ ۲۹

کوئی سودا تمہاری باہمی رضامندی کا ہو۔ (کنز الایمان)

لہٰذا اِس آیتِ مبارکہ کی رو سے ایسی بیع سود میں داخل نہیں ہے۔

اور بیع کی شرائط بیان کرتے ہوئے ہمارے فُقہائے کرام بیان فرماتے ہیں کہ جب ثمن معیّن ہو تو بیع نقد واُدھار دونوں طرح جائز ہے۔

چنانچہ علّامہ محمد بن عبد اللہ تمر تاشی حنفی متوفی ۱۰۰۴ھ اور علّامہ علاؤ الدین محمد بن علی حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں: وَ شَرط الصّحۃ معرفَۃ قَدر مبِیع وثَمن. ❶

یعنی: مبیع و ثمن کی مقدار کا معلوم ہونا، بیع کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے۔

اور علّامہ تمر تاشی لکھتے ہیں: وَصحّ بثمنٍ حالٍ ومؤجّل إلیٰ معلُوم. ❷

یعنی: ثمن نقد ہو یا ایک معلوم مدّت تک اُدھار ہو، تو بیع درست ہوتی ہے۔

اِسی طرح ایک شے کی قیمت کا نقد میں کم ہونا اور اُدھار میں زیادہ ہونا، **سود نہیں**۔

چنانچہ علّامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد ابنِ ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں: فإنّ کون الثّمن علی تقدیر النقد (ألفاً) و علیٰ تقدیر النّسیئَۃ ألفَین لیسَ فِی معنیٰ الرّبا. ❸

---

❶ تنویر الأبصار وشرحہ الدّر المختار، کتاب البیوع، ص ۳۹۶

❷ تنویر الأبصار، کتاب البیوع، ۱/ ۳۹۶

❸ فتح القدیر شرح الہدایۃ، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، تحت قولہ: یکون إجارۃ فی بیع... إلخ، ۶/ ۸۱

یعنی: قیمت کا نقد میں ہزار ہونا اور اُدھار میں دو ہزار ہونا سُود کے معنی میں نہیں ہے۔

اور مخدوم عبد الواحد سیوستانی حنفی متوفی ۱۲۲۴ھ لکھتے ہیں: كَونُ الثمنِ على تقديرِ النقدِ (ألفاً) وعلىٰ تقديرِ النَّسيئة ألفَين لَيس فِيه معنىٰ الرِّبوا. 1

یعنی: ثمن نقد کی صُورت میں کم ہو اور اُدھار کی صُورت میں دو ہزار ہو، تو اِس میں سود نہیں ہے۔

اِسی طرح امامِ اہلسنّت امام احمد رضا حنفی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں: قرضوں بیچنے میں نقد بیچنے سے دام زائد لینا کوئی مضائقہ نہیں رکھتا، یہ باہمی تراضی بائع و مشتری پر ہے۔ 2

اور مفتیِ اعظم پاکستان مفتی محمد وقار الدین قادری حنفی متوفی ۱۴۱۳ھ لکھتے ہیں: فروخت کرنے والے کو شریعت نے یہ اختیار دیا ہے کہ نقدی کی قیمت اور رکھے اور اُدھار کی قیمت اور مقرر کرے مگر شرط یہ ہے کہ اُدھار کی مدت متعین کر دی جائے لہٰذا یہ کر سکتا ہے کہ یہ چیز نقد سو روپے کی ہے، اگر ایک مہینے بعد قیمت دو تو ایک سو پانچ روپے کی ہے۔ 3

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

يوم السبت، ١٧ ذو الحجة، ١٤٣٩ھ . 19 أغسطس، ٢٠١٨م JIA-1278

1 فتاویٰ واحدی، کتاب البیوع، ۳/۴، مخطوط

2 فتاویٰ رضویہ، ۱۶/ ۴۹۴، کتاب الوقف، باب المسجد

3 وقار الفتاویٰ، تجارت کا بیان، ۳/ ۲۶۴

# ہاکی کھیلنے کی ملازمت کا حکم

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین و مُفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ ہاکی کھیلنے کی ملازمت شرعاً کیسی ہے؟

(سائل: علّامہ سیّد محمد طاہر نعیمی، اولڈ ٹاؤن، کراچی)

باسمہ تعالیٰ وتقدّس الجواب: اگر اِسے صِرف کھیلنے کے لئے ملازمت پر رکھا جارہا ہے کسی اور کام کے لئے نہیں، تو اِس کی ملازمت شرعاً جائز نہیں ہے؛ کیونکہ سوائے تین کھیل جن کی شرع شریف نے اجازت دی ہے، تمام کھیل شرعاً ناجائز ہیں۔

چنانچہ امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابنِ ماجہ متوفی ۲۷۳ھ اپنی سند سے حضرت عُقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلّم نے فرمایا: كُلُّ مَا يَلْهُوْ بِهِ الْمَرْءُ الْمُسْلِمُ بَاطِلٌ إِلَّا رَمْيَهُ بِقَوْسِهِ وَ تَأْدِيْبَهُ فَرَسَهُ وَ مُلَاعَبَتَهُ إِمْرَأَتَهُ فَإِنَّهُنَّ مِنَ الْحَقِّ. (1)

یعنی: ہر وہ کھیل جسے مسلمان کھیلے باطل ہے مگر اپنی کمان سے تیر اندازی کرنا، اپنے گھوڑے کو سدھانا اور اپنی بیوی سے ملاعبت کرنا یعنی کھیلنا (جائز ہے)؛ کیونکہ یہ کھیل حق ہیں۔

ہاں اگر کوئی کھیل صِرف صحت کے لئے بطورِ ورزش کھیلا جائے، تو اُس میں حرج نہیں جبکہ اُس میں کوئی ناجائز وجہ نہ ہو جیسے ستر، ران وغیرہ کا ننگا ہونا۔

چنانچہ مفتیِ اعظم پاکستان مفتی محمد وقار الدین قادری حنفی متوفی ۱۴۱۳ھ لکھتے

---

(1) سنن إبن ماجة، كتاب الجهاد، باب الرمى فى سبيل الله، برقم الحديث: ۲۸۱۱، ۳/ ۳۶۹

ہیں: کوئی کھیل صرف کھیلنے کے لئے جائز نہیں ہے۔ صحت کے لئے بطورِ ورزش کھیلنا جائز ہے، جس میں کوئی دینی طور پر ناجائز وجہ نہ پائی جائے۔ (1)

اور ملازمت میں دیکھا جاتا ہے کہ اصل ملازمت فعل جائز پر ہے یا ناجائز پر۔ اگر فعل جائز پر ہو تو ملازمت جائز ہوگی اور اگر ناجائز پر تو ناجائز ہوگی۔

چنانچہ امامِ اہلسنت امام احمد رضاخان حنفی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں: اصل مزدوری اگر فعل ناجائز پر ہو تو سب کے یہاں ناجائز ہے اور جائز ہو تو سب کے یہاں جائز۔ (2)

واللہ تعالی أعلم بالصواب

الإثنین ۲۳ جمادیٰ الاخریٰ ۱۴۲۳ھ، ۲ ستمبر ۲۰۰۲م JIA-303

## بچے کو اُس کی ماں کی رضامندی کے بغیر کسی اور کو دینا کیسا؟

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ میری ساس اور شوہر مجھ پر اس بات کا زور دے رہے ہیں کہ میرے ہاں جو پہلا بچہ پیدا ہوگا وہ میں اپنے شوہر کے بڑے بھائی کو دے دوں، تو کیا میرے لئے اپنے شوہر کا یہ حکم ماننا ضروری ہے یا نہیں؟ (سائلہ: حنا بنت محمد نذر، لاڑکانہ، سندھ)

باسمہ تعالیٰ و تقدّس الجواب: جو کوئی بچے اور اُس کی ماں کے درمیان جُدائی ڈالے گا قیامت کے دن ربّ تعالیٰ اُس کے اور اُس کی محبت کے درمیان جُدائی

---

(1) وقار الفتاویٰ، کتاب الحظر والاباحۃ، فٹبال کھیلنے کا حکم، ۲/ ۵۲۷

(2) فتاویٰ رضویہ، کسب وحصولِ مال، ۲۳/ ۵۰۷

ڈالے گا۔

چنانچہ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ اپنی سند سے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الْوَالِدَةِ وَوَلَدِهَا فَرَّقَ اللهُ بَيْنَهُ وَ بَيْنَ أَحِبَّتِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (1)

یعنی: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے بچے اور اُس کی ماں کے درمیان جُدائی ڈالی ربّ العزت بروزِ محشر اُس کے اور اُس کی محبت کے درمیان جُدائی ڈال دے گا۔

اِسی طرح امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ اپنی سند سے حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: أَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ: يَارَسُوْلَ اللهِ ﷺ، أَنَّ ابْنِي هٰذَا كَانَ بَطْنِي لَهُ وِعَاءً، وَثَدْيِي لَهُ سِقَاءً، وَحِجْرِيْ لَهُ حِوَاءً، وَ أَنَّ أَبَاهُ طَلَّقَنِيْ، وَأَرَادَ أَنْ يَنْتَزِعَهُ مِنِّي. فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: أَنْتِ أَحَقُّ بِهٖ مَالَمْ تَنْكِحِيْ. (2)

یعنی: ایک عورت نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم یہ میرا بیٹا ہے، میرا پیٹ اِس کے لئے برتن ہے، میری چھاتی اِس کا مشکیزہ ہے، میری گود اِس کے لئے جھولا، اب اِس کے باپ نے مجھے طلاق دی ہے

---

(1) سُنن الترمذی، کتاب البیوع، باب ماجاء فی کراھة الفرق بین الأخوین أو بین الوالدة و ولدھافی البیع، برقم: ۱۲۱۲، ۲/ ۳۵۳

(2) سُنن أبی داؤد، کتاب الطلاق، باب من أحق بالولد، برقم: ۲۲۷۴، ۲/ ۲۹۰

اور اِسے مجھ سے چھیننا چاہتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: جب تک تم دوسرا نکاح نہیں کرلیتی اِس بچے کی زیادہ حقدار تم ہو۔

شوہر اور ساس کا حکم ظلم پر مبنی ہے، کسی ماں سے اس کے بچے کو چھیننا صریح ظلم اور اللہ عزّوجلّ کے عذاب کو دعوت دینا ہے۔

چنانچہ قرآن کریم میں ہے: وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا. (1)

ترجمہ: اور تم میں جو ظالم ہے ہم اُسے بڑا عذاب چکھائیں گے۔ (کنز الایمان)

اِسی طرح ایک مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے: قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا. (2)

ترجمہ: (ذوالقرنین نے) عرض کی کہ وہ جس نے ظلم کیا اُسے تو ہم عنقریب سزا دیں گے پھر اپنے رب کی طرف پھیرا جائے گا وہ اُسے بُری مار دے گا۔ (کنز الایمان)

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ اَلِيْمٍ. (3)

ترجمہ: تو ظالموں کی خرابی ہے ایک دردناک دن کے عذاب سے۔ (کنز الایمان)

لہٰذا لاعلمی کی وجہ سے اُن سے جو ظلم کا ارتکاب ہو رہا ہے، اُنہیں چاہئے اِس سے توبہ کریں اور اپنے اِس ارادے سے باز آجائیں ورنہ قیامت کے روز اِس کا انجام

---

(1) الفرقان: ۱۹/۲۵
(2) الکھف: ۸۷/۱۸
(3) الزخرف: ۶۵/۴۳

بہت خراب ہے۔

چنانچہ قرآن کریم میں ہے:وَ لَوْ اَنَّ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّ مِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ. (1)

ترجمہ: اور اگر ظالموں کے لئے ہوتا جو کچھ زمین میں ہے سب اور اُس کے ساتھ اُس جیسا تو یہ سب چُھڑائی (رہائی کے عوضانہ) میں دیتے روز قیامت کے بڑے عذاب سے۔(کنزالایمان)

اور اگر یہ اپنے اِس ارادے سے باز آجاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سچے دل سے توبہ کرلیتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں ہے:وَ مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ یَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا. (2)

ترجمہ: اور جو کوئی برائی یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ سے بخشش چاہے تو اللہ کو بخشنے والا مہربان پائے گا۔(کنزالایمان)

ہاں اگر کوئی عورت اپنا بچہ اپنی رضا سے کسی کو دینا چاہے تو دے سکتی ہے اور اُس کی رضا کے بغیر یہ کام ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتا۔

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

یوم الجمعة، ۱۰ شعبان المعظم ۱٤۳٦ھ، ۲۹ مایو ۲۰۱۵ م JIA-1242

---

(1) الزمر: ۳۹/ ٤۷

(2) النساء: ٤/ ۱۱۰

# "اِن شاءاللہ" اور "اِنشاءاللہ" دونوں طرح لکھنے کا حکم

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین و مُفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ "اِن شَآءَاللہ" کو بعض لوگ ملا کر 'اِنشاء اللہ' لکھتے ہیں جبکہ کچھ لوگ اِس سے منع کرتے ہیں، برائے مہربانی ہماری رہنمائی فرمائیں۔ (سائل: از گلشن قادری، کراچی)

باسمہ تعالیٰ و تقدس الجواب: صُورتِ مسئولہ میں جو لوگ ملا کر "اِنشاء اللہ" لکھنے سے منع کرتے ہیں وہ درست کرتے ہیں؛ کیونکہ عُلمائے لغت کے نزدیک "اِنشاء" کا مفہوم "تخلیق" اور "ایجاد" ہے۔

چنانچہ ابو نصر اسماعیل بن حماد جوہری متوفی ۳۹۸ھ نے "الصحاح" (1) اور شیخ الامام محمد بن ابو بکر بن عبد القادر رازی حنفی متوفی ۶۶۰ھ نے "مختار الصِّحاح" (2) میں "نَشَا" کے تحت نقل کیا: اَنْشَأَهُ اللهُ: خلَقَهُ.

یعنی: اللہ تعالیٰ نے اُسے پیدا فرمایا۔

اِسی طرح "المنجد" (3) میں ہے۔

اِس سے واضح ہوتا ہے کہ "اِنشاء" کا استعمال تخلیق کے معنی میں لُغتاً ثابت ہے لہٰذا جب قائل (کہنے والا) یہ کہنا چاہتا ہو "اگر اللہ چاہے" تو بیّن (واضح) ہے کہ لفظِ "اِنشاء" کو اسمِ جلالت 'اللہ' کے ساتھ ملا کر لکھنا رسمُ الخط کے اعتبار سے درست

---

(1) الصِّحاح، حرف النون، نَشَا، ص ۱۱۳۶

(2) مختار الصِّحاح، باب النون، ن-ش-أ، ص ۳۸۰

(3) المنجد، حرف النون، ن-ش-ا، ۲/۱۹۲۸

نہیں ہے بلکہ متکلم(کلام کرنے والے) کے مقصود کے خلاف ہے؛ کیونکہ متکلّم کا مقصود، تو اپنے ارادے کو اللہ کی مشیّت کے تابع کرنا تھا اور یہ کہنا تو اُس وقت بجا(درست) ہوتا جب قائل کا مقصود ہی تخلیق کو بیان کرنا ہوتا اور اِس حوالے سے متعدّد مثالیں ہمیں قرآنِ کریم سے ملتی ہیں اور یہ ذہن نشین رہے کہ قرآنِ کریم میں جہاں متعدّد مقامات پر لفظ "اَنشاء" کا مفہوم ملتا ہے تو وہ کہیں مصدر اور کہیں فعلِ ماضی تو کہیں فعلِ مضارع کی صُورت میں آیا ہے جیسے فعلِ ماضی کی مثال: ﴿وَ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـٕدَةَؕ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ﴾ ❶

ترجمہ: اور وہی ہے جس نے بنائے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل، تم بہت ہی کم حق مانتے ہو۔(کنز الایمان)

فعلِ مضارع کی مثال: ﴿قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَیْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ یُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ ❷

ترجمہ: تم فرماؤ: زمین میں سفر کرکے دیکھو، اللہ کیونکر پہلے بناتا ہے پھر اللہ دوسری اُٹھان اُٹھاتا ہے، بیشک اللہ سب کچھ کرسکتا ہے۔(کنز الایمان)

اور لفظِ "اِنشاء" جو کہ مصدر ہے وہ تنہا مستعمل(استعمال کیا گیا) ہے۔

جیسا کہ آیت میں ہے: ﴿اِنَّاۤ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً﴾ ❸

---

❶ المؤمنون:۲۳/ ۷۸

❷ العنکبوت:۲۹/ ۲۰

❸ الواقعة:۵٦/ ۳۵

ترجمہ: بیشک ہم نے اُن عورتوں کو اچھی اُٹھان اُٹھایا۔ (کنزالایمان)

جبکہ نحوی اعتبار سے جملہ ''اِنشاء اللہ'' کو دیکھیں، تو نحوی اعتبار سے یہ مرکبِ اضافی ہوگا وہ اِس طرح کہ ''اِنشاء'' مصدر مضاف اور اسمِ جلالت اللہ مضاف الیہ۔ مضاف، مضاف الیہ سے مل کر مرکبِ اضافی ہوگا اور مرکبِ اضافی، مرکب غیر مفید کی قبیل سے ہے، اب اِس طرح اِس کا معنی یہ بن جائے گا کہ ''اللہ کا تخلیق کرنا'' چونکہ متکلم کا مقصود تو ''اِن شاء اللہ'' کے ذریعے اپنے ارادے کو اللہ کی مشیّت کے تابع کرنا تھا کہ جو ''اِنشاء اللہ'' کے ذریعے درست نہیں ہے اور مقصود کے خلاف ہے، لہٰذا اِس انداز میں لکھنے سے اجتناب بہتر ہے۔

جبکہ ''اِن شاء اللہ'' کا مطلب ہے ''اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا'' یہ جملہ تین کلمات پر مشتمل ہے اور تینوں کلمے الگ الگ علمِ نحو میں اپنی حیثیت رکھتے ہیں کہ ''اِن'' شرطیہ ہے اُس کا معنی ہے ''اگر'' اور ''شاء'' صیغہ واحد مذکر غائب، فعلِ ماضی معروف، ثلاثی مجرد، اجوف یائی و مہموز اللام، از باب فتح یفتح ہے اُس کا معنی ہے ''چاہا'' اور اسمِ جلالت اللہ یہ فعلِ ماضی کا فاعل لہٰذا ثابت ہوا کہ ''اِن شاء اللہ'' لکھنا ہی ('اِن' کو 'شاء' فعل ماضی سے ملائے بغیر) درست ہے۔ جیسا کہ قرآنِ مجید فرقانِ حمید میں متعدد مقامات پر بھی آیا ہے:

1۔﴿وَاِنَّاۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ﴾ [1]

ترجمہ: اور اللہ چاہے تو ہم راہ پا جائیں گے۔ (کنزالایمان)

---

[1] البقرۃ:۲/ ۷۰

2۔﴿ وَ قَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ ﴾❶

ترجمہ: اور کہا: مصر میں داخل ہو اللہ چاہے توامان کے ساتھ۔ (کنزالایمان)

3۔﴿قَالَ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّ لَاۤ اَعْصِیْ لَكَ اَمْرًا﴾❷

ترجمہ: کہا عنقریب اللہ چاہے تو تم مجھے صابر پاؤ گے اور میں تمہارے کسی حکم کے خلاف نہ کروں گا۔

4۔﴿سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ﴾❸

ترجمہ: قریب ہے ان شاء اللہ تم مجھے نیکوں میں پاؤ گے۔ (کنزالایمان)

5۔﴿لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ﴾❹

ترجمہ: بیشک تم ضرور مسجد حرام میں داخل ہوگے اگر اللہ چاہے امن وامان سے۔ (کنزالایمان)

6۔﴿سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ﴾❺

ترجمہ: خدا نے چاہا تو قریب ہے کہ آپ مجھے صابر پائیں گے۔

اِسی طرح کُتُبِ احادیث میں بھی جب ہم اِن شاء اللہ کے رسم الخط کو ملاحظہ کرتے ہیں تو اُن میں یعنی "اِن شاء اللہ" میں بھی "اِن" شرطیہ کو فعل ماضی شاء

❶ یوسف:۱۲/ ۹۹
❷ الکھف:۱۸/ ٦٩
❸ القصص:۲۸/ ۲۷
❹ الفتح:٤٨/ ۲۷
❺ الصافات:۳۷/ ۱۰۲

سے منفصل (جُدا) کرکے لکھا گیا ہے نہ کہ متصل (ملاکر)۔

ذیل میں صحاحِ ستّہ سے احادیث پیش کی جارہی ہیں۔

چنانچہ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند سے روایت کرتے ہیں: فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: سَأَفْعَل إِنْ شَاءَ الله. ❶

یعنی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ''اِن شاء اللہ'' عنقریب ایسا کروں گا۔

اِسی طرح امام مسلم بن حجّاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ اپنی سند سے روایت کرتے ہیں: لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ يَدْعُوْهَا فَأَنَا أُرِيْدُ إِنْ شَاءَ اللهُ أَنْ أَخْتَبِيَ دَعْوَتِيْ، شَفَاعَةً لِأُمَّتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. ❷

یعنی: ہر نبی کے لئے ایک (خاص) دعا ہوتی ہے جس کو وہ مانگ لیتا ہے، پس میرا ارادہ ہے کہ میں اِن شاء اللہ اِس دعا کو روزِ قیامت اپنی امت کی شفاعت کے لئے محفوظ رکھوں گا۔

اِسی طرح امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ اپنی سند سے روایت کرتے ہیں: إِنَّهَا لَرُؤْيَا حَقٌّ إِنْ شَاءَ اللهُ. ❸

یعنی: اِن شاء اللہ، بیشک یہ خواب حق ہے۔

---

❶ صحیح البخاری، کتاب الصّلاۃ، باب المساجد فی البیوت، رقم: ۴۲۵، ۱/ ۱۰۹

❷ صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب اختباء النبیﷺ دعوۃ الشفاعۃ لأمۃ، برقم: ۳۴۰، ۱/ ۱۹۰

❸ سنن أبی داؤد، کتاب الصّلاۃ، باب کیف الأذان، برقم: ۴۹۹، ۱/ ۲۴۱

اِسی طرح امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ اپنی سند سے روایت کرتے ہیں: أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِيْنٍ، فَقَالَ: إِنْ شَاءَ اللهُ لَمْ يَحْنَثْ. [1]

یعنی: بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے حلف اُٹھاتے ہوئے اِن شاء اللہ کہا وہ حانث نہ ہوا۔

اِسی طرح امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ اپنی سند سے روایت کرتے ہیں: أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ خَرَجَ إِلَى الْمَقْبَرَةِ فَقَالَ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِيْنَ، وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ. [2]

یعنی: بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم قبرستان میں تشریف لے گئے اور فرمایا: اے مؤمنو! السلام علیکم ہم بھی اِن شاء اللہ تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں۔

اِسی طرح امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ اپنی سند سے حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں: اجتَمَعَ عِيدَانِ فِي يَوْمِكُمْ هٰذَا فَمَنْ شَاءَ أَجزَأَه مِنَ الْجُمُعَةِ وَإِنَّا مُجَمِّعُوْنَ إِنْ شَاءَ اللهُ. [3]

یعنی: آج کے دن تمہارے لئے دو عیدیں جمع ہو گئی ہیں، لہٰذا جو چاہے اُس کے لئے نمازِ عید، جمعہ سے کفایت کرے گی اور ہم ضرور اِن شاء اللہ جمعہ ادا کریں

---

[1] سنن الترمذی، کتاب النذور والأيمان، باب ماجاء فی الاستثناء فی الیمین، برقم الحدیث: ۱۵۳۱، ۲/ ٤٦٦

[2] سُنن النّسائی، کتاب الطّهارة، باب حلية الوضوء، برقم: ۱۵۰، ۱/ ۱۱۷

[3] سنن ابن ماجة، کتاب إقامة الصلاة و السنة فيها، باب ماجاء فيما إذا اجتمع العيدان فی يوم، برقم الحديث: ۱۳۱۱، ۲/ ۱۳۳

گے۔

تو مندرجہ بالا دلائل سے یہ بات "اظہر من الشمس" ہو گئی کہ درست رسمُ الخط "اِن شاء اللہ" ہے نہ کہ "اِنشاء اللہ"، تو ہمیں چاہیے کہ ہم خود بھی غلط رسمُ الخط سے اِجتناب کریں اور دوسروں کو بھی بچائیں اور جو طریقہ ہمارے اَسلاف نے اپنایا ہے اُسی کے مطابق چلیں۔

جیسا کہ امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ اپنی سند سے حضرت ابنِ عباس سے روایت کرتے ہیں: اَلْبَرَكَةُ مَعَ أَكَابِرِكُمْ. (1)

یعنی: برکت تمہارے بڑوں کے ساتھ ہے۔

واللہ تعالی أعلم بالصواب JIA-1271

## صحابہ کرام علیہم الرضوان کے نام کے ساتھ "رض" اور اولیاءِ عظام رحمۃ اللہ علیہم کے نام کے ساتھ "رح" لکھنے کا حکم

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین و مُفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ کچھ لوگ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا نام جب لکھتے ہیں تو اُن کے ناموں کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھنے کے بجائے "رض" لکھ دیتے ہیں، شرعاً اِس کا حکم کیا ہو گا؟ اِسی طرح اولیاءِ کرام کے نام کے ساتھ رحمۃ اللہ علیہ کی جگہ "رح" لکھنے کا حکم کیا ہے؟ (سائل: عبد الحکیم، کراچی)

---

(1) المستدرك للحاكم، كتاب الإيمان، البركة مع أكابركم، برقم: ۲۱۸، ۱/ ۲۳۸

باسمہ تعالیٰ و تقدّس الجواب: حضراتِ صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے اسماء کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بجائے "رض" اور حضراتِ اولیائے عظام علیہم الرحمہ کے اَسماء کے ساتھ رحمۃ اللہ علیہ کے بجائے "رح" نہیں لکھنا چاہیے۔ فُقہاءِ کرام نے اِسے مکروہ اور باعثِ محرومی بتایا ہے۔

چنانچہ امام یحیٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ ❶ اور اِن کے حوالے سے علّامہ برہان الدین ابو اسحاق ابراہیم بن موسیٰ ابناسی شافعی متوفی ۸۰۲ھ ❷ لکھتے ہیں: وَکذٰلك یَکتُب عِندذِکرالنّبی صلّی الله علَیه وسلّم بکمالِهَا لا رامِزاً إلیهِما ولا مقتَصراً علیٰ أحدِهما و کذٰلك یقُول فِی الصّحابِی "رضی الله عنه" فإنّ کانَ صحابیاً بن صَحابی قَال "رضِی الله عنهما" وکذٰلِك یترضی و یترحمُ علیٰ سائِر العُلماء و الأخیَار. (واللّفظ للأول)

یعنی: اور اِسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے وقت "صلی اللہ علیہ وسلم" مکمل لکھے گا فقط اشارہ نہیں کرے گا اور نہ صلاۃ وسلام میں کسی ایک پر اکتفاء کرے گا اور اِسی طرح صحابی کے ذکر کے وقت "رضی اللہ عنہ" مکمل لکھا جائے گا، لہذا اگر صحابی ابن صحابی ہو تو "رضی اللہ عنہما" لکھے اور اِسی طرح "رضی اللہ عنہ" اور "رحمۃ اللہ علیہ" تمام علماء و صُلحاء کے لئے مکمل لکھے گا۔

اور علامہ سیّد احمد بن محمد طحطاوی حنفی متوفی ۱۲۳۱ھ لکھتے ہیں: و یُکرہ

---

❶ المنهاج شرح النووی علی صحیح مسلم، مقدّمة، فصل، ۱/ ۴۲

❷ الشذا الفیاح من عُلوم ابن صلاح، النّوع الرابع والعشرون معرفة کیفیة سماع الحدیث وتحمله، ۱/ ۳۳۸

الرَّمز بِالصَّلاۃوَالتَّرضی بِالکِتابۃبَل یکتَب ذٰلك کلّہ بکَمالِہ. ❶

یعنی: "صلی اللہ علیہ وسلم" اور "رضی اللہ عنہ" رمز یعنی اشارۃً لکھنا مکروہ ہے بلکہ یہ مکمل لکھا جائے۔

اِسی طرح امامِ اہلسنّت امام احمد رضا خان حنفی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں: صحابہ، اولیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اَسماء طیّبہ کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جگہ "ؓ" لکھنے کو عُلمائے کرام نے مکروہ وباعثِ محرومی بتایا.... امام نووی شرح صحیح مسلم میں لکھتے ہیں: ومن أغفَل ھٰذاحرم خیراً عظیماًوَفوت فَضلاً جسیماً ❷ جو اِس سے غافل ہوا خیرِ عظیم سے محروم رہا اور بڑا فضل اُس سے فوت ہوا والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ یونہی "قدّس سرہ" یا "رحمۃ اللہ علیہ" کی جگہ "ق"، یا "ؒ" لکھنا حماقت و حرمانِ برکت ہے۔ ❸

اور صدرالشریعہ محمد امجد علی اعظمی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں: "رضی اللہ تعالیٰ عنہ" کی جگہ "ؓ" اور رحمۃ اللہ تعالیٰ کی جگہ "ؒ" لکھتے ہیں یہ بھی نہ چاہیے۔ ❹

اور مفتی محمد وقار الدین قادری حنفی متوفی ۱۴۱۳ھ لکھتے ہیں: صحابی کے اِسمِ گرامی کے ساتھ مکمل رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھنا چاہیے صرف "ؓ" لکھنا صحیح نہیں اِسی

---

❶ حاشیۃالطحطاوی علی الدّرالمختار، مقدمۃالکتاب، ۱/ ٦

❷ المنہاج شرح النووی علی صحیح مسلم، مقدّمۃ، فصل، ۱/ ٤٢

❸ فتاویٰ افریقہ، مسئلہ نمبر ۴۵، ص ۵۱

❹ بہارِ شریعت، نماز کا بیان، باب دُرود شریف کے فضائل و مسائل، ۱/ ۵۳۴

طرح رحمۃ اللہ علیہ کی جگہ ”رح“ لکھنا بھی جائز نہیں۔ ❶

اور مفتی جلال الدین احمد امجدی حنفی متوفی ۱۴۲۲ھ لکھتے ہیں: اِسی طرح صحابۂ کرام اور اولیاءِ عظام رضی اللہ عنہم کے مبارک ناموں کے ساتھ ”رض“ اور ”رح“ بھی لکھنا نہیں چاہئے کہ عُلماءِ کرام نے مکروہ اور باعثِ محرومی بتایا ہے۔ ❷

واللہ تعالٰی أعلم بالصواب

JIA-1274 ۱۵ جنوری ۲۰۱۸

## نامِ محمد کے ساتھ ”ص“ یا ”صلعم“ لکھنا کیسا ہے؟

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین و مُفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمِ گرامی ”محمد (صلی اللہ علیہ والہ وسلم)“ کے ساتھ ”ص“، ”صلعم“ اور دیگر انبیاء علیہم السّلام کے اَسماء کے ساتھ ”ع“ لکھنے کا شرعاً کیا حکم ہے؟ (سائل عبد اللہ، ملیر، کراچی)

باسمہ تعالٰی و تقدّس الجواب: سرورِ کائنات، فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم الصلوۃ السّلام کے اَسماء کے ساتھ پورا دُرود شریف یا سلام لکھنے کے بجائے ”صلعم“ یا ”ص“ یا ”ع“ یا ”عم“ لکھنا، نا جائز و حرام ہے اور اگر تخفیف (شان گھٹانے) کے لئے ہو توکُفر ہے۔

---

❶ وقار الفتاویٰ، رسالت، ۱/۹۶

❷ فتاویٰ فیض الرسول، کتاب العقائد، ۱/۱۳۷

چنانچہ شمس الدین ابوالخیر محمد بن عبدالرحمن سخاوی متوفی ۹۰۲ھ لکھتے ہیں: وأمّا الصّلَاة علَيه عِند كتَابة اسمه-صلى الله عليه وسلم-ومَا فِيه من الثّواب وذمّ من أغفَله فَأعلم أنه كَما تصلّي علَيه بلسانِك فكذٰلك خطّ الصّلاة علَيه بِبنانك مَهما كتَبت اسْمه الشّريف في كتَاب فإنّ لكَ به أَعْظم الثّواب وهٰذه فَضيلَة يفوز بِها تباع الآثار وَ رُواة الأخبَار وحمَلة السّنة في لَهَا من منّة وقَد أستحبّ أهلُ العلم أن يُكرّر الكاتبُ الصَّلاة علىٰ النَّبي-صلى الله عليه وسلم-كلّما كتبَه قالُوا وَلا ينبَغي إنْ يرمُز بالصَلاة كَما يفعُله الكُسالىٰ وَالكهلَة وعوَام الطَلبة فيَكتبون صُورَة(صَلعَم). ❶

یعنی: اور نام محمد(صلی اللہ علیہ والہ وسلم)لکھتے وقت درود لکھنے میں ثواب ہے اور جو اِس سے غافل ہو اُس کی مذمّت کی گئی ہے، تو جان لے کہ جس طرح تو زبان سے درود شریف پڑھتا ہے اِسی طرح تو درود شریف کا خط لکھ جب بھی اسم شریف لکھے تو تحریراً درود شرید لکھ؛ کیونکہ اِس میں تیرے لئے بڑا ثواب ہے اور یہ وہ فضیلت ہے جس سے آثار کی اتباع کرنے والے اور احادیث روایت کرنے والے اور حاملینِ سنّت کامیاب ہوئے اور اہلِ علم مستحب قرار دیتے ہیں کہ لکھنے والا جب بھی آپ صلی اللہ

---

❶ القول البديع فى الصلاة على الحبيب الشفيع، الباب الخامس فى الصلاة على فى أوقات مخصوصة، الصلاة عليه عند كتابه اسمه، ٢٤٧

علیہ والہ وسلم کا نام نامی اسم گرامی لکھتے تو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر درود شریف کی تکرار کرے اور مناسب نہیں ہے کہ درود شریف کا اشارہ لکھا جائے جیسا کہ سُستی اور غفلت کرنے والے اور عوام ''صلعم'' لکھتے ہیں۔

اور علّامہ احمد بن محمد ابنِ حجر ہیتمی شافعی متوفی ۹۷۴ھ لکھتے ہیں کہ: وكذَا اسمُ رسولِهِ بان يكتبَ عقبَه "صلى الله عليه وسلم" فقدجرَتْ بِهِ عادة الْخلف كالسلف ولايختصر كتابتهَابنحو "صَلْعَمْ" فإنه عادةُ المحرومِيْنَ. [1]

یعنی: رسول اللہ کے نام نامی اِسم گرامی کے بعد ''صلی اللہ علیہ وسلم'' لکھنا چاہیے، اسلاف کی طرح اخلاف کی یہی عادت رہی ہے البتہ دُرود کا اختصار لکھنا جیسے ''صلعم'' یہ محروم لوگوں کی عادت ہے۔

اور علّامہ سیّد ابو جعفر احمد بن محمد طحطاوی حنفی متوفی ۱۲۳۱ھ لکھتے ہیں: من كتَب عليه الصّلاة و السّلام بالهَمزة والميم يُكفّر لأنه تخفيف، وتخفيف الأنبياءكُفر بلاشكّ. [2]

یعنی: جو شخص ''علیہ الصلاۃ والسلام'' کو ہمزہ اور میم کے ساتھ لکھے اُس نے کُفر کیا؛ کیونکہ یہ تخفیف ہے اور انبیاء علیہم السّلام کی تخفیف (یعنی اُن کی شان کو ہلکا جاننا) بلاشبہ کُفر ہے۔

اور امامِ اہلسنّت امام احمد رضا خان حنفی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں: دُرود شریف کی جگہ جو عوام وجُہال ''صلعم'' یا ''ع'' یا ''م'' یا ''ص'' یا ''صللم'' لکھا کرتے ہیں محض

---

[1] الفتاوٰی الحدیثیہ، ۱/ ۱٦٤

[2] حاشية الطّحطاوی علی الدّر المختار، خُطبة الكتاب، ۱/ ٦

مہمل وجہالت ہے۔۔۔ نامِ پاک کے ساتھ ہمیشہ پورا درود شریف لکھا جائے "صلی اللہ علیہ وسلم"۔ (1)

امامِ اہلسنت ایک اور مقام پر لکھتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نامِ پاک کے ساتھ "صلعم" یا "ص" یا "م" یا "صللم" وغیرہا رُموز لکھنا ممنوع اور سخت بیدولتی ہے۔ امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں: پہلا شخص جس نے ایسا اختصار کیا اُس کا ہاتھ کاٹا گیا دُرود شریف پورا لکھنا لازم ہے "صلی اللہ علیہ وسلم"۔ (2)

امام اہلسنت مزید لکھتے ہیں: (ص) لکھنا جائز نہیں۔۔۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمِ کریمہ پر۔۔۔ نامِ اقدس پر یوں نہیں کہ وہاں پورے دُرود شریف کا حکم ہے "صلی اللہ علیہ وسلم" لکھے، فقط "ص" یا "صلم" یا "صلعم" جو لوگ لکھتے ہیں، سخت شنیع و ممنوع ہے۔ (3)

اور اگر سُستی، کاہلی اور نادانی کی بنا پر ایسا کرے تو کُفر نہیں ہے مگر ناجائز و حرام ضرور ہو گا۔

چنانچہ صدر الشریعہ محمد امجد علی اعظمی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں: اکثر لوگ آج کل دُرود شریف کے بدلے صلعم، عم، ع، لکھتے ہیں یہ ناجائز و سخت حرام ہے۔ (4)

---

(1) فتاوٰی رضویہ، رسالہ تکرار نمازِ جنازہ، ۹/ ۳۱۳

(2) فتاوٰی رضویہ، رسالہ لمعۃ الضحیٰ، ۲۲/ ۶۹۲

(3) فتاوٰی رضویہ، آداب، ۲۳/ ۳۸۷، ۳۸۸

(4) بہارِ شریعت، باب درود شریف کے فضائل ومسائل، ۱/ ۵۳۴

اِسی طرح مفتی جلال الدین امجدی حنفی متوفی ۱۴۲۲ھ لکھتے ہیں: حضور فخرِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاءِ کرام علیہم السلام کے مبارک ناموں کے ساتھ بجائے پورا دُرود یا سلام کے صرف "صلعم" یا "صہ" یا "عہ" یا "عم" لکھنا اگر شانِ انبیاء کی تخفیف کے لیے ہو تو کُفر ہے۔۔۔ اور اگر صرف کاہلی نادانی اور جہالت سے ایسا کیا تو کفر نہیں مگر حرام اور ناجائز ضرور ہے۔ (1)

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

JIA-1281

## بدمذہب سے تعلیم حاصل کرنا اور اُس کی تعظیم کا حکم

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین و مُفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ کسی بدمذہب سے دینی تعلیم حاصل کرنا شرعاً کیسا ہے اور اگر کوئی استاد صحیح العقیدہ تھا مگر اَب (معاذ اللہ) بدمذہب ہو گیا تو کیا کرنا چاہئے؟

(سائل: احمد علی، گلشن اقبال، کراچی)

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: اکسی بدمذہب سے مسئلہ دریافت کرنا، فتویٰ لینا، اُسے استاد بنانا، میل جول وغیرہ رکھنا کسی مومن کیلئے خصوصاً دینی اُمور میں رَوا نہیں بلکہ اَشدّ ممنوع ہے جیسا کہ عام فہم شخص بھی سمجھتا ہے کہ بے دین سے دین کی کیا بات پوچھیں یہ غیر ڈاکٹر سے دوا لینے کی مانند زہر قاتل ہے جبکہ اُستاد اور معلّم کے آداب جو شرع نے سکھائے ہیں، اُس میں اُس کی تعظیم ضروری ہے اور بدمذہب کی تعظیم کرنا،

(1) فتاویٰ فیض الرسول، کتاب العقائد، فتویٰ متعلق حدیث قرطاس، ۱/ ۱۳۷

یہ بھی ممنوع ہے بلکہ ایسے شخص کی تو اہانت لازم ہے، لہذا کسی بدمذہب سے دینی تعلیم حاصل کرنا اشدّ ممنوع ہے اور پھر جو ہے ہی بدمذہب وہ بدمذہبی کی ہی تعلیم دے گا اور متعلّم (شاگرد) کو بدمذہب بنائے گا، تو ایسے شخص سے دینی تعلیم حاصل کرنا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟

اور خدانخواستہ اگر کوئی استاد بدمذہب ہو جائے، تو بدمذہب ہونے کے بعد اُس کی تعظیم ممنوع ہے اور علم حاصل کرنا بھی اشدّ منع ہے اور ایسے کی تعظیم کو اسلام کے گرانے پر مدد کرنا قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ اپنی سند سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مَنْ وَقَّرَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ فَقَدْ أَعَانَ عَلٰى هَدْمِ الْإِسْلَامِ. ❶

یعنی: جس نے کسی بدعتی کی تعظیم کی، تو بیشک اُس نے اسلام کے گرانے میں مدد کی۔

اِسی وجہ سے فُقہائے کرام نے بدمذہب سے میل جول اور اُس سے تعلیم و تعلّم کو حرام قرار دیا ہے۔

چنانچہ امامِ اہلسنت امام احمد رضا خان حنفی متوفی ۱۳۴۰ھ سے اپنے بچوں کو بدمذہبوں کے پاس علم حاصل کرنے کے لئے بھیجنے کے حوالے سے سوال کیا گیا تو آپ نے جواباً ارشاد فرمایا: حرام، حرام، حرام اور جو ایسا کرے بدخواہِ اَطفال و مبتلائے

---

❶ شعب الإيمان، مباعدة الكفار و المفسدين... إلخ، برقم الحديث: ۹۰۱۸، ۱۲/ ۵۷

آثام۔ 1

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں: غیرِ مذہب والیوں (یا والوں) کی صحبت آگ ہے، ذی علم (علم والے) عاقل بالغ مَردوں کے مذہب (بھی) اِس میں بگڑ گئے ہیں۔ عمران بن حطان رقاشی کا قصہ مشہور ہے یہ تابعین کے زمانہ میں ایک بڑا مُحدِّث تھا، خارِجی مذہب کی عورت (سے شادی کر کے اس) کی صحبت میں (رہ کر) مَعاذَ اللہ عَزَّوَجَلَّ خود خارِجی ہو گیا اور یہ دعویٰ کیا تھا کہ (اس سے شادی کر کے) اُسے سُنّی کرنا چاہتا ہے۔ جب صحبت کی یہ حالت (کہ اتنا بڑا محدّث گمراہ ہو گیا) تو (بد مذہب کو) اُستاد بنانا کس دَرَجہ بد تر ہے کہ اُستاد کا اثر بَہُت عظیم اور نہایت جلد ہوتا ہے تو غیر مذہب عورت (یا مرد) کی سپُردگی یا شاگردی میں اپنے بچّوں کو وُہی دے گا جو آپ (خود ہی) دین سے واسِطہ نہیں رکھتا اور اپنے بچّوں کے بد دین ہو جانے کی پرواہ نہیں رکھتا۔ 2

اور صدر الشریعہ محمد امجد علی اعظمی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ سے بد مذہب سے تعلیم حاصل کرنے اور بدمذہب کی تعظیم کے متعلق پوچھا گیا، تو آپ علیہ الرحمہ نے ارشاد فرمایا: بدمذہب کی صحبت سمِ قاتل (زہرِ قاتل) ہے شیطان کو گمراہ کرتے دیر نہیں لگتی، فُسّاق (فاسقوں) کی صحبت سے اعمال میں خرابی کا اندیشہ اور بد مذہب کی صحبت سے عقائد خراب ہو جانے کا ڈر ہے اور فسادِ عقیدہ، فسادِ عمل سے بد تر ہے، اِس لئے سلف صالحین نے مبتدعین سے پرہیز کرنے کی بہت تاکید فرمائی، یہ تو مطلق صحبت کا حکم

---

1 فتاویٰ رضویہ، علم و تعلیم، ۲۳/ ۶۸۲

2 فتاویٰ رضویہ، علم و تعلیم، ۲۳/ ۶۹۲

ہے اور تلمذ و شاگردی میں تو بزرگی کی نسبت اُستاذ سے ہوتی ہے اور جب اُسے علمِ دین کا اُستاذ بناتا ہے تو علاوہ اِس کے کہ اُس کی تعظیم و تکریم کرے گا اُستاذ کو اُس کے گمراہ کرنے کا بہت زیادہ موقع ہاتھ آئے گا اِسی وجہ سے بد مذہبوں سے پڑھنے والے عموماً بد مذہب ہوتے ہیں، بہت کم عقائدِ حقّہ پر باقی رہتے ہیں اور حکم اکثر کے لئے ہوتا ہے، اِسی واسطے حدیث میں ارشاد ہوا: إِنَّ هٰذَا الْعِلْمَ دِيْنٌ فَانْظُرُوْا عَمَّنْ تَأْخُذُوْنَ دِيْنَكُمْ۔ (1)

یعنی: بے شک یہ علمِ دین ہے پس تم خوب غور و فکر کرو کہ اپنا دین کس سے حاصل کر رہے ہو۔ (2)

والله تعالىٰ أعلم بالصواب

الجمعة، ٢٠ شعبان المعظم ١٤٢٤ھ/ ١٧اکتوبر ٢٠٠٣م JIA-551

## مسجد کی حدود سے باہر لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر تلاوت کرنا کیسا ہے؟

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین و مُفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ بعض مساجد کے لاؤڈ اسپیکر مساجد کی حُدود سے باہر ہونے کی وجہ سے تلاوت مسجد سے باہر تک سُنی جاتی ہے، لہٰذا راہ چلنے والوں یا کاروباری حضرات مثلاً مسجد کے پڑوسی دوکاندار کو کیا تمام کام چھوڑ کر قرآن کی تلاوت سُننا واجب ہے؟ اِسی طرح رمضان المبارک میں اذان کے لاؤڈ اسپیکر سے شبینہ میں تلاوت وغیرہ یا تراویح کی تلاوت کی

(1) صحیح مسلم، مقدمۃ، باب بیان أن الاسناد من الدین۔۔۔ إلخ، حدیث فی ضمن رقم الحدیث:٧، ١/ ١٤

(2) فتاویٰ امجدیہ، کتاب الحظر والاباحۃ، جائز وناجائز کا بیان، ٣/ ٩٧

آواز گونجتی ہے تو کیا جن جن گھروں میں ان کی تلاوت کی آواز آئے تو تمام کام چھوڑ کر تلاوت سُننا واجب ہے؟

برائے کرم تفصیلاً جواب عطا فرماکر عند اللہ ماجور ہوں۔ اللہ تعالیٰ دونوں جہاں میں آپ کا اقبال بلند فرمائے اور مزید زورِ قلم عطا فرمائے۔

(سائل: عبدالکریم قادری رضوی، سبزواری پبلشرز، کھارادار، کراچی)

باسمہ تعالیٰ وتقدّس الجواب: جو لوگ لاؤڈ اسپیکر سے اقتداء جائز نہیں سمجھتے اُن کے نزدیک لاؤڈ اسپیکر سے تلاوت سُننا واجب نہیں ہوگا اور جو جائز جانتے ہیں، اُن کے نزدیک واجب ہوگا۔

چنانچہ مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد وقار الدین قادری حنفی متوفی ۱۴۱۳ھ لکھتے ہیں: جو لوگ مائیک سے اقتداء کرنے کو جائز سمجھتے ہیں، اُن کے نزدیک آیتِ سجدہ سُننے سے سجدہ بھی واجب ہوگا اور اذان کا جواب بھی۔ (وقار الفتاویٰ، کتاب الصلاۃ، سجدۂ تلاوت، ریڈیو، ٹیلی وژن اور لاؤڈ اسپیکر سے سُنی جانے والی آیت سجدہ کا حکم، ۲/۱۱۳، ناشر: بزم وقار الدین، کراچی)

لاؤڈ اسپیکر سے اقتداء کے جواز اور عدمِ جواز سے قطعِ نظر ایسی جگہیں جہاں لوگ کام کاج میں مصروف ہوں لاؤڈ اسپیکر سے تلاوت کی آواز سُنوانا ایک ایسا فعل ہے، جس سے قرآن کی عظمت لوگوں کے دلوں سے کم ہو جائے گی لہٰذا پڑھنے والا اور پڑھوانے والے سب گنہگار ہوں گے۔

چنانچہ علامہ سید احمد بن محمد طحطاوی حنفی متوفی ۱۲۳۱ھ (1) اور محمد علاؤالدین

---

(1) حاشیۃ الطّحطاوی علی الدّرالمختار، کتاب الصلاۃ، فصل: یجهر الإمام وجوباً، تحت قوله: فنزل....إلخ، ۱/ ۲۳۷

بن محمد امین ابنِ عابدین شامی حنفی متوفی ۱۳۰۶ھ [1] لکھتے ہیں: ویجبُ علی القاری إحترامُه بأنْ لا یقرأ فِی الأسْوَاق و مَواضِعِ الإشتغال فإنْ قرأ فِیها کان هُو المضِیع لِحُرمتِه فَیکُون الإثم علَیه دُون أهلِ الإشغال دفْعاً للحرجِ فی إلزَامهم ترک اشتِغالِهم المحتَاج إلَیها. (واللفظ للأوّل).

یعنی: قرآن پڑھنے والے پر واجب ہے کہ اُس کا احترام کرے، اِس طرح کہ بازاروں اور ایسی جگہوں میں نہ پڑھے جہاں لوگ اپنے کام کاج میں مشغول ہوں اور اگر ایسی جگہ پڑھا تو یہ قرآن کی حُرمت کو ضائع کرنے والا ہے اور اِس پڑھنے والے پر گناہ ہوگا نہ کہ کام میں مشغول لوگوں پر تاکہ اپنے ضروری کاموں کے ترک کا اہتمام کرنے میں لوگوں کو حرج واقع نہ ہو۔

اور مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد وقار الدین قادری حنفی متوفی ۱۴۱۳ھ لکھتے ہیں: ایسی جگہ جہاں لوگ اپنے کاموں میں مشغول ہوں، جیسے بازار وغیرہ وہاں بلند آواز سے قرآن کی قرأت وتلاوت سخت مکروہ ہے۔ [2]

واللہ تعالٰی أعلم بالصواب

السبت ۱۱ جمادیٰ الاخریٰ ۱۴۲۳ھ، ۳۱ اگست ۲۰۰۲م JIA-301

# اسقاطِ حمل کا حکم

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین ومُفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ اَعضائے بدن بننے سے قبل اسقاطِ حمل شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ نیز کیا یہ قتلِ انسانی ہوگا یا

---

[1] الهدیة العلائیة، استماع القرآن وتلاوته، ص ۲۲۴

[2] وقار الفتاویٰ، کتاب الصلاۃ، مارکیٹ وغیرہ میں لاؤڈ اسپیکر سے تلاوت سنوانے کا حکم، ۲/۹۵

نہیں؟ بحوالہ مدلّل جواب تحریر فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

(سائل: محمد عبد الستار مرادوی، موضع واہی مرزا بیگ، تحصیل و ضلع مظفر گڑھ)

باسمہ تعالیٰ وتقدّس الجواب: اسقاطِ حمل بلا عُذرِ شرعی ناجائز اور گناہ ہے اور عُذرِ شرعی پائے جانے کی صُورت میں بھی اُس وقت تک جائز ہے جب تک بچے کی خلقت کے آثار نہ ہوں مثلاً بال، یا ناخن وغیرہ بننا شروع ہوگئے ہوں تو اسقاط جائز نہ ہوگا اور اِس مدت فُقہائے کرام نے ایک سو بیس دن بتائی ہے؛ کیونکہ اِس مدت میں بچے کی خلقت شروع ہو جاتی ہے۔

چنانچہ علّامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد ابنِ ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ نے سُوال قائم فرمایا: و هَل يُباح الإسقاطُ بعد الحَبل؟

یعنی: کیا حمل ٹھہرنے کے بعد اُس کا گرانا مباح ہے؟

اِس کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرمایا: يُباح مَا لم يَتخلّق شيئٌ منه ثمّ فِي غير مَوضِع قالُوا وَ لَا يكونُ ذٰلك إلاّ بَعد مِائةٍ و عشرِين يوماً و هٰذا يَقتضِى أنّهم أرَادُوا بِالتخلِيق نَفخ الرُّوح.❶

یعنی: جب تک اُس سے کوئی شے نہ بنی ہو اسقاطِ حمل مُباح ہے پھر فُقہائے کرام نے فرمایا کہ بچہ کی تخلیق کی ابتداء ایک سو بیس روز کے بعد سے ہے اور فُقہائے کرام کے اِس قول کا مقتضٰی یہ ہے کہ اُنہوں نے بچہ بننے سے "روح پھونکا جانا" مراد لیا

---

❶ فتح القدير شرح الهداية، كتاب النكاح، باب نكاح الرقيق، تحت قوله: إذا تزوج أمة.... إلخ، ۳/ ۲۷٤

ہے۔

اور علّامہ نظام الدین حنفی متوفی ۱۰۹۲ھ اور عُلمائے ہند کی ایک جماعت نے لکھا ہے: العلاجُ لإسْقَاط الوَلد إذَا استبانَ خلقه كَالشَّعْر وَ الظَّفر و نَحوهما لَا يَجوز و إنْ كَان غيرُ مستَبِينِ الخلق يَجوزُ. ❶

یعنی: اسقاطِ حمل کے لئے علاج کرانا اُس وقت جائز نہیں جب اُس حمل کی خلقت شروع ہو جائے جیسے: بال اور ناخنوں وغیرہ کا اُگنا اور اگر خلقت شروع نہ ہوئی ہو، تو جائز ہے۔

اور امامِ اہلسنّت امام احمد رضاخان حنفی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں: اگر ابھی بچہ نہیں بنا جائز ہے ورنہ ناجائز کہ بے گناہ کا قتل ہے اور چار مہینہ میں بچہ بن جاتا ہے۔ ❷

اور بچہ کے اعضاء بننے کی مدّت ایک سو بیس دن ہے اور اِس کے بعد بچہ گرانے والا گویا قاتل ہے۔

چنانچہ علّامہ حسن بن منصور اوزجندی حنفی متوفی ۵۹۲ھ لکھتے ہیں: و قدّروا تلكَ المدّة بمائة و عِشرِيْن يوماً. ❸

یعنی: فُقہائے کرام نے اِس کی مدّت ایک سو بیس دن مقرر فرمائی ہے۔

---

❶ الفتاویٰ الهندیّة، کتاب الکراهیة، الباب الثامن عشر فی التداوی و المعالجات و فیه العزل و إسقاط الولد، ۵/ ۳۵٦

❷ فتاویٰ رضویہ، بیماری اور علاج معالجہ، ۲۴/ ۲۰۱

❸ فتاویٰ قاضیخان علی هامش الفتاوی الهندیة، کتاب الحظر و الإباحة، فصل فی الختان، ۳/ ٤١٠

اور علّامہ علاؤ الدین حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں: يُحَلّ إسقاط الحمل قَبل مائةٍ وَ عشرِينَ يَو ماً.❶

یعنی: حمل کو ایک سو بیس دن پورے ہونے سے پہلے ساقط کرانا جائز ہے۔

اور فقیہِ ملّت علّامہ جلال الدین احمد امجدی حنفی متوفی ۱۴۲۲ھ لکھتے ہیں: چار ماہ دس دن میں جان پڑجاتی ہے اور جان پڑجانے کے بعد حمل ساقط کرنا حرام ہے اور ایسا کرنے والا گویا قاتل ہے اور جان پڑنے سے پہلے اگر ضرورت ہو، تو حرج نہیں۔❷

اور اس مدت سے قبل اسقاطِ حمل کا جائز ہونا عذر کی بناء پر ہے اور بلا عُذر گرانا گُناہ ہے۔

چنانچہ علّامہ سیّد محمد امین ابنِ عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں: قالَ ابنُ وهبان فإباحةُ الإسقاطِ مَحمولَةٌ علیٰ حالةِ العُذر.❸

یعنی: علّامہ ابنِ وہبان نے فرمایا: اسقاطِ حمل کی اباحت، حالتِ عُذر پر محمول ہے۔

اور اگر اِس مدّت میں اسقاطِ حمل بلا عُذر ہو، تو اِس کے بارے میں علّامہ قاضیخان لکھتے ہیں: و إذا أسقط الولدَ بِالْعِلاج قالُوا إن لم يَستبِن شئ من خَلقِهِ لا تَأثِم قال ص و لا أقول به فإنّ المحرم إذا كسر بَيض الصيد

❶ الدر المنتقى فى شرح الملتقى مع مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب نكاح الرقيق، تحت قوله: لها، ۱/ ۵۳۸

❷ فتاویٰ فیض الرسول، کتاب الحظر والإباحۃ، ۲/ ۵۵۲

❸ ردّ المحتار، كتاب النكاح، باب نكاح الرقيق، مطلب: حكم إسقاط الحمل، تحت قوله: و قالوا... إلخ، ٤/ ۳۳۵

يكون ضامناً لأنه أصلُ الصَّيد فلما كان مُؤاخَذا بِالجَزاء ثمّه فلا أقلَّ مِن أن يُلحقَها إثمٌ هٰهنا إذا أسقط بغير عذر إلّا أنها لا تَأْثِم إثمَ القَتل. [1]

یعنی: عورت جب علاج کے ذریعے بچے کو ساقط کرائے تو فقہائے کرام نے فرمایا کہ اگر بچے کی بناوٹ ظاہر نہیں ہوئی تو وہ گنہگار نہ ہو گی، مصنّف فرماتے ہیں کہ میں اِس کا قائل نہیں ہوں کیونکہ احرام والا جب شکار کا انڈا توڑ ڈالے تو اُس کا ضامن ہوتا ہے؛ اِس لئے انڈہ شکار کی اصل ہے پس جب شکاری کا انڈہ ضائع کرنے پر مؤاخذہ ہوتا ہے تو حمل ضائع کرانے پر کم از کم گناہ تو ہو گا۔ **یہ حکم اُس وقت ہے جب وہ بلا عُذر حمل ساقط کرائے البتہ اُس کو قتل کا گناہ نہ ہو گا۔**

اور معقول عُذر ہونے کی صُورت میں ایسی ادویات جو استعمال کی جائیں، تو حمل نہ ٹھہرے اور چھوڑ دی جائیں تو حمل قرار پا سکتا ہو، عورت ایسی دوائیں استعمال کر سکتی ہے کہ یہ "عزل" کے حکم میں ہے۔

چنانچہ مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد وقار الدین قادری حنفی متوفی ۱۴۱۳ھ لکھتے ہیں: ایسی ادویات استعمال کی جائیں کہ جب تک دوا کا استعمال جاری رہے گا حمل قرار نہیں پائے گا اور جب دوا کا استعمال بند کر دیا جائے گا تو حمل قرار پا سکتا ہے اس میں اگر کوئی معقول وجہ ہے مثلاً پہلا بچہ چھوٹا ہے دوبارہ حمل ہونے سے اُس کی صحت خراب ہو گی یا بیوی کی صحت اچھی نہیں ہے کہ جلدی جلدی بچے کی پیدائش سے اُس کی صحت اور

---

[1] فتاویٰ قاضیخان علی هامش الفتاوى الهندية، كتاب الحظر و الإباحة، فصل فی الختان، ۳/ ۴۱۰

خراب ہو جائے گی تو اِن دواؤں کا استعمال جائز ہے اور یہ بالکل "عزل" کے حکم میں ہے۔ ❶

اور فقیہِ ملّت مفتی جلال الدین احمد امجدی لکھتے ہیں: کسی جائز مقصد کے پیشِ نظر وقتی طور پر ضبطِ تولید کے لئے کوئی دوا یا ربڑ کی تھیلی استعمال کرنا جائز ہے لیکن کسی عمل سے ہمیشہ کے لئے قوّتِ تولید کو ختم کر دینا کسی طرح جائز نہیں۔ ❷

حکومتیں جو برتھ کنٹرول پر روپیہ پیسہ خرچ کرتی ہیں اور لوگوں کو منصوبہ بندی کی ترغیب دلا رہی ہیں اُن کا منشاء یہ ہے کہ دنیا کی آبادی بڑھنے سے خوراک میں کمی واقع ہو جائے گی اِس قصد سے اِن دواؤں کا استعمال ناجائز ہے رزق کی ذمّہ داری خالقِ کائنات نے اپنے ذمّہ رکھی ہے حکومتیں رازق نہیں ہیں۔

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

الأربعاء ۱۸ رجب المرجب ۱۴۲۳ھ، ۲۶ ستمبر ۲۰۰۲م　JIA-317

---

❶ وقار الفتاویٰ، کتاب النکاح، ضبط، تولید، ۳/ ۱۲۴

❷ فتاویٰ فیض الرسول، کتاب الحظر والإباحۃ، ۲/ ۵۸۰

# ماخذومراجع

**(کلام اللہ عزوجلّ)**
**(ترجمہ:کنزالإیمان)**

**1.الاختیار لتعلیل المختار**للعلّامۃعبداللہ بن محمودالموصلی الحنفی (ت٦٨٣ھ)،مطبوعۃ:دار المعرفۃ، بیروت،الطبعۃ الثانیہ١٤٢٣ھ.٢٠٠٢م

**2.الاستیعاب فی معرفۃ الأصحاب** للإمامأبوعمر یوسف بن عبد اللہ بن محمّدالنمری القُرطبی (ت٤٦٣ھ)،مطبوعۃ:دارالجیل بیروت، الطبعۃالأولیٰ ١٤١٢ھ- ١٩٩٢م

**3.الأسرارفی مسائل الخلاف** للعلّامۃ قاضی عبیداللہ بن عُمربن عیسیٰ الدّبوسی الحنفی(ت٤٣٠ھ)، مکتبۃ الإمام الذہبی،سعودیۃ،الطبعۃ الأولیٰ ١٤٤٥ ھ.٢٠٢٣م

**4.الأشباہ والنظائر** للعلّامۃ الشیخ زین الدّین بن إبراھیم بن محمّد بن بکر المعروف بابن نُجیم المصری الحنفی(ت٩٧٠ھ)،مطبوعۃ:دار الکتب العلمیّۃ،بیروت،الطبعۃ الأولیٰ١٤١٣ھ-١٩٩٣م

**5.الأشباہ والنظائر**للإمام عبدالرّحمٰن بن أبی بکرالسیوطی الشافعی (ت٩١١ھ)،مطبوعۃ:دار الکتب العلمیۃ، بیروت،الطبعۃ الأولیٰ١٤١١ھ ١٩٩٠م

**6.إکمال المعلّم بفوائد مسلم** للإمام أبی الفَضل عیاض بن موسیٰ حصبی (ت٥٤٤ھ)،مطبوعۃ:دار الوَفاء،بیروت،الطبعۃالأولیٰ ١٤١٩ھ. ١٩٩٨م

**7.إمداد الفتّاح شرح نُور الإیضاح** للعلّامۃحسن بن عمّارالشرنبلالی الحنفی(ت١٠٦٩ھ)، مطبوعۃ: دار إحیاء التراث العربی،بیروت،الطبعۃ الأولیٰ١٤٢١ھ-٢٠٠١م

**8.البحر الرّائق شرح کنز الدقائق** للعلّامۃ الشیخ زین الدین بن إبراھیم بن محمد بن بکر المعروف بابن نجیم المصری الحنفی(ت٩٧٠ھ)،مطبوعۃ:دارالکتب

العلمية،بيروت،الطبعة الأولى١٤١٨هـ.١٩٩٧م

9.**بدائع الصّنائع** للإمام علاء الدّين أبي بكر بن مسعود الكاسانى الحنفى (ت٥٨٧هـ)،مطبوعة:دار الكتب العلميّة، بيروت، الطبعةالأولى١٤١٨ هـ ١٩٩٧.م

10.**البناية شرح الهداية**للعلّامةبدرالدين محمودبن أحمدالعينى الحنفى (ت٨٥٥هـ)،مطبوعة:دار الكتب العلميّة،بيروت،الطبعة الأولى ١٤٢٠هـ ٢٠٠٠.م

11.**بہارِشریعت** لصدر الشّريعة محمّد أمجد على الأعظمى الحنفى (ت١٣٦٧هـ)، مطبوعة:مكتبة المدينة، كراتشى،سن الطباعة:١٤٣٥هـ.٢٠١٤م

12.**تاج العُروس للعلّامة** سيّد محمدمرتضىٰ بن محمّد الحسينى الزبيدى (ت١٢٠٥هـ)،مطبوعة:دار الكتب العلمية،بيروت،الطبعةالأولى ١٤٢٨هـ. ٢٠٠٧م

13.**تبيين الحقائق** للإمام فخر الدين أبي محمّد عثمان بن على بن محجن بن يونس الزيلعى الحنفى (ت٧٤٣هـ )،مطبوعة:دار الكتب العلمية،بيروت،الطبعة الأولى ١٤٢٠هـ. ٢٠٠٠م

14.**تفسير ابن كثير** للحافظ عِماد الدّين إسماعيل بن عمر ابن كثير الدّمشقى (ت٧٧٤هـ)، مطبوعة:دار الأرقم،بيروت،لبنان

15.**تنوير الأبصار** للشيخ محمد بن عبد الله بن أحمد الغزى الحنفى التمرتاشى (ت١٠٠٤هـ) ، مطبوعة:دار الكتب العلمية،بيروت،الطبعة الأولى ١٤٢٣هـ ٢٠٠٢.م

**جامع الرّموز**للعلّامةشمس الدّين محمّدبن حسام الدين الخراسانى الحنفى (ت٩٥٠/ ٩٦٢هـ)،

16.**الجوهرة النيرة** للإمام أبي بكر بن على الحنفى المعروف بالحدّادى العبادى (ت٨٠٠هـ)،مطبوعة:دار الكتب العلمية،بيروت،الطبعة الأولى١٤٢٧هـ ٢٠٠٦.م

17.**حاشية الطّحطاوى على الدّرالمختار** للعلّامة أحمدبن محمّدبن إسماعيل

الطحطاوی الحنفی (ت ۱۲۳۱ھ)، مطبوعة: دار الفقیه، ۱۳۹۰ھ. ۱۹۷۰م

**18. حبیب الفتاویٰ** للمفتی محمّد حبیب الله نعیمی أشرفی الحنفی (ت2011ء) مطبوعة: شبّیر برادرز، أردو بازار، لاهور

**19. خزانة المفتین** للإمام حسین بن محمّد الحنفی (ت ۷٤٦ھ)، مخطوط مصوّر

**20. خزائن العرفان** لصدر الأفاضل السیّد محمّد نعیم الدین الحنفی (ت ۱۳٦۷ھ)، مطبوعة: ضیاء القرآن، لاهور/ مطبوعه: مكتبة المدينة، كراچی

**21. خلاصة الفتاویٰ** للشیخ طاهر بن أحمد بن عبد الرشید بن الحسن الإمام افتخار الدین البخاری الحنفی الشرخسی (ت ٥٤٢ھ) مع مجموعة الفتاوی، مكتبة رشیدیة، كوئتة

**22. الدّرالمختار شرح تنویرالأبصار** للعلّامة علاؤالدین محمد بن علی الحصكفی الحنفی (ت ۱۰۸۸ھ)، مطبوعة: دار الكتب العلمیة، بیروت، الطبعة الأولیٰ ۱٤۲۳ھ. ۲۰۰۲م

**23. الدّرالمنتقیٰ فی شرح الملتقیٰ** للعلّامة علاؤالدّین محمّدبن علی الحصكفی الحنفی (ت ۱۰۸۸ھ)، مطبوعة: دارالكتب العلمیّة، بیروت، الطبعة الأولیٰ ۱٤۱۹ھ. ۱۹۹۸م

**24. ردّ المحتار** للإمام الهمام الفقیه العلّامة السید محمد أمین بن عمر عابدین الشامی الحنفی (ت ۱۲٥۲ھ)، مطبوعة: دار المعرفة، بیروت، الطبعة الأولیٰ ۱٤۲۰ھ. ۲۰۰۰م

**25. رمز الحقائق شرح القدوری** للعلّامة بدرالدین محمودبن أحمدالعینی الحنفی (ت ۸٥٥ھ)، مطبوعة: إدارة القرآن، كراتشی

**26. السِراج الوهّاج** للإمام أبی بكر بن علی الحنفی المعروف بالحدّادی العبادی (ت ۸۰۰ھ)، مخطوط مصوّر

**27. سُنَن ابن ماجة** للإمام المحدث أبی عبد الله محمد بن یزید القزوینی (ت ۲۷۳ھ)، مطبوعة: دارالكتب العلمیة، بیروت، الطبعة الأولیٰ ۱٤۱۹ھ. ۱۹۹۸م

**28. سُنَن أبی داوٗد** للإمام الحافظ المصنف المتقن أبی داود سلیمان بن الأشعث

السّجستانی الأزدی (ت ٢٧٥هـ)، مطبوعة:دار ابن حزم،بیروت،الطّبعة الأولیٰ ١٤١٨هـ. ١٩٩٧م
29.**سُنَن الترمذی** للإمام أبی عیسی محمد بن عیسی بن سورة الترمذی (ت٢٧٩هـ) مطبوعة:دار الکتب العلمیة،بیروت،الطبعة الأولیٰ١٤٢١هـ-٢٠٠٠م
30.**سُنَن الدّارمی** للإمام أبومحمّدعبدالله بن عبدالرّحمن الدّارمی (ت ٢٥٥هـ) مطبوعة:دارالکتب العلمیّة،بیروت،الطبعةالأولیٰ ١٤١٧هـ. ١٩٩٦م
31.**السُنَن الکبریٰ** للإمام الحافظ أبی بکر أحمد بن الحسین البیهقی (ت٤٥٨هـ) ، مطبوعة:دار الکتب العلمیة،بیروت، الطبعة:١٤٢٠هـ.١٩٩٩م
32.**سُنَن النسائی المسمی بالمجتبی** للإمام أبی عبد الرحمن أحمد بن شعیب بن علی بن سنان بن بحر الخراسانی النسائی(ت٣٠٣هـ)،مطبوعة:دار الفکر،بیروت،الطبعة الأولیٰ ١٤١٥هـ-١٩٩٥م
33.**الشذا الفیاح من عُلوم ابن صلاح** للعلّامة برهان الدین أبی اسحاق إبراهیم بن موسیٰ أبناسی الشافعیٰ(ت٨٠٢هـ)،الناشر:مکتبة الرشد،الطبعة الأولیٰ ١٤١٨هـ.١٩٩٨م
34.**شرح ابن بطّال** للعلّامة أبی الحسن علی بن خلف ابنِ بطّال (ت٤٤٩هـ) ، مطبوعة:مکتبة الرشد، الرّیاض،الطبعة الثانیة١٤٢٣هـ. ٢٠٠٣م
35.**شرح الوقایۃ** للعلّامة عبیدالله بن مسعودالمحبوبی الحنفی (ت ٧٤٨هـ)مطبوعة:دار الکتب العلمیة،بیروت،الطبعة الأولیٰ٢٠٠٩م
36.**شرح معانی الآثار** للإمام أبو جعفر أحمد بن محمّد الطحاوی الحنفی (ت٣٢١هـ)، مطبوعة: عالم الکتب،بیروت،الطبعة الأولیٰ١٤١٤هـ-١٩٩٤م
37.**شرح مُلّا مسکین علی الکنز** للعلّامة مُعین الدّین محمّد بن عبدالله الهروی الحنفی (ت٩٥٤هـ)، مطبوعة:دار الکتب العلمیة، بیروت،الطبعة الأولیٰ ٢٠٠٨م
38.**شُعَب الإیمان** للإمام أبی بکر أحمد بن حُسین البیهقی(ت ٤٥٨هـ)، مطبوعة: مکتبة الرّشد، الطبعة الأولیٰ١٤٢٣هـ . ٢٠٠٣م

**39.الصّحاح** لأبی نصر اسماعیل بن حمّاد الجوهری(ت۳۹۸ھ)،مکتبة دار الحدیث القاهرة،سنۃ الطباعة ۱۴۳۰ھ.۲۰۰۹م

**40.صحیح البخاری** للإمام الحافظ أبی عبد الله محمد بن إسماعیل البخاری (ت۲۵۶ھ)مطبوعة:دار الکتب العلمیّة، بیروت، ۱۴۲۰ھ.۱۹۹۹م

**41.صحیح مسلم** للإمام مسلم بن الحجاج القشیری النیسابوری (ت۲۶۱ھ)، مطبوعة:دارإحیاء التراث العربی،بیروت

**42.الطبقات الکبریٰ** للإمام محمّد بن سعد البغدادی(ت۲۳۰ھ)،مطبوعة: دار الفکر،الطبعة الأولیٰ ۱۴۱۴ھ. ۱۹۹۴م

**43.الطّحاوی** للعلّامة أبی جعفر أحمدبن محمّد الطّحاوی الحنفی(ت۳۲۱ھ)، مطبوعة:مؤسّسة الرّیّان، بیروت،لبنان،الطبعة الأولیٰ ۱۴۴۳ھ.۲۰۲۱م

**44.طلاقِ ثلاثہ کا شرعی حکم** لرئیس دار الافتاء النّور شیخ الحدیث الدکتور مفتی محمّدعطاء الله النعیمی الحنفی أطال الله عمره ،مطبوعة: جمعیت اشاعت اهلسنّت پاکستان ۱۴۳۵ھ- ۲۰۱۴م

**45.طوالِع الأنوارشرح الدّر المختار** للعلّامةمحمّدعابدبن أحمدسندی الحنفی (۱۲۵۷ھ)،مخطوط مصوّر

**46.العطاء النبویّة فی الفتاویٰ الرّضویّة** لإمام أهل السنة الحاج الحافظ القاری الشاه أحمد رضا خان الحنفی (ت۱۳۴۰ھ)، مطبوعه:رضافاؤنڈیشن ، لاهور، طبعة:۱۴۲۷ھ-۲۰۰۶م

**47.عُمدۃ القاری** للإمام بدر الدین أبی محمد محمود بن أحمد العینی الحنفی (ت۸۵۵ھ)، مطبوعة:دار الفکر،بیروت،الطبعة الأولیٰ۱۴۱۸ھ-۱۹۹۸م

**48.الغایة شرح الهدایة**للعلّامة شمس الدین أبوالعباس أحمدبن إبراهیم السّروجی الحنفی(ت ۷۱۰ھ)،مطبوعة:مکتبة الإمام الذهبی، الطبعة الأولیٰ ۱۴۴۲ھ.۲۰۲۱م

**49.غمز عُیون البصائر** للعلّامة أحمدبن محمّد الحموی الحنفی(ت۱۰۹۸ھ)، مطبوعة:دار الکتب العلمیّة،بیروت،الطبعة الأولیٰ۱۴۰۵ھ.۱۹۸۵م

**50.غُنیة المستملی فی شرح منیة المصلّی** للعلّامة إبراهیم بن محمد بن إبراهیم الحلبی

الحنفی (ت ٩٥٦ھ)، مطبوعة: مکتبۂ نُعمانیّة، کوئٹة

**51.فتاویٰ أفریقة** للإمام أهل السّنة أحمد رضاخان الحنفی(ت١٣٤٠ھ)، مطبوعة: نوری کتُب خانة لاهور، سنّ الطباعة ٢٠٠٠م

**52.الفتاویٰ التاتارخانیة** للإمام الفقیه عالم بن علاء الأندربتی الحنفی (ت٧٨٦ھ)، مطبوعة: مکتبة فاروقیة، کوئٹة

**53.الفتاوٰی الحدیثیة** للعلّامة أحمد بن محمّد ابن حجر الهیتمی الشّافعی (ت٩٧٤ھ)، دار الفکر

**54.الفتاویٰ الهندیّة** للشیخ نظام الدین الحنفی (ت١٠٩٢ھ) و جماعة من عُلماء الهند، مطبوعة: دار الکتب العلمیّة، بیروت، الطّبعة الثالثة ١٣٩٣ھ-١٩٧٣م

**55.فتاویٰ أمجدیّة** لصَدر الشّریعة محمّد أمجد علی الأعظمی الحنفی(ت١٣٦٧ھ)، مطبوعة: مکتبة رضویة، کراتشی، سنّ الطباعة: ١٤٣٤ھ- ٢٠١٣م

**56.فتاوٰی خلیلیة** للمفتی محمّد خلیل خان القادری(ت١٤٠٥ھ)، مطبوعة: ضیاء القرآن ببلی کیشنز، لاهور، سنّ الطباعة ٢٠٠٨م

**57.فتاویٰ فقیه ملّت** للمفتی جلال الدین أحمد الأمجدی الحنفی (ت١٤٢٢ھ)، مطبوعه: شبیر برادرز، لاهور، سنّ الطباعة: ٢٠٠٥م

**58.فتاوی فیض الرّسول** للمفتی جلال الدین أحمد الأمجدی الحنفی (ت١٤٢٢ھ) مطبوعة: شبیر برادرز، لاهور، سنّ الطباعة: ١٤١١ھ .١٩٩٢م

**59.فتاویٰ واجِدی** للعلّامة عبدالواحدالسیوستانی الحنفی (ت١٢٢٤ھ)، مطبوعة: گیلانی الیکٹرک اسٹور، لاهور، ١٣٤٦ھ .١٩٢٧م

**60.فتح القدیر** للعلّامة کمال الدین محمد بن عبد الواحد بن عبد الحمید بن مسعود السیواسی ثم السکندری المعروف بابن الهمام(ت٨٦١ھ)، مطبوعة: دار إحیاء التراث العربی، بیروت

**61.فتح الملهم بشرح صحیح مسلم** شبّیر أحمد عثمانی دیوبندی (ت١٣٦٩ھ)، مطبوعة: دار إحیاء التراث العربی، بیروت، الطبعة الاولی ١٤٢٦ھ.٢٠٠٦م

62.**فیوض الباری شرح صحیح البخاری** للعلّامة سیّد محمود أحمد رضوی الحنفی (ت۱٤۲۰ھ)، مطبوعة: نشان منزل ببلی کیشنز، سنِ الإشاعة ۲۰۱٤م

63.**القبس فی شرح الموطّا** للإمام أبی بکر بن عربی المعافری، مطبوعة: دار العرب إسلامی

64.**القُنیة المنیة** للعلّامة أبی الرّجاء نجم الدین مختار بن محمد الزاهدی الحنفی (ت٦٥٨ھ)، مخطوط مصوّر

65.**القول البدیع فی الصّلاة علی الحبیب الشّفیع** لشمس الدّین أبی الخیر محمّد بن عبدالرّحمن السّخاوی (ت۹۰۲ھ)، مطبوعة: دار الریّان للتُّراث

66.کتاب الدّعاء للإمام أبی القاسم سلیمان بن أحمد الطبرانی (ت۳٦۰ھ)، مطبوعة: دار الکتب العلمیة، بیروت، الطبعة الأولیٰ ۱٤۱۳ھ.۱۹۹۳م

67.**کتاب الفقه علی المذاهب الأربعة** للعلّامة عبدالرّحمن الجزیری (ت۱۳٦۰ھ)، مطبوعة: دار الأرقم، بیروت

68.**کتاب المبسوط** لشمس الأئمة محمّد بن أحمد بن أبی سهل السرخسی أبی بکر الفقیه الحنفی (ت٤۸۳ھ)، مطبوعة: دار الفکر، بیروت، الطبعة الأولیٰ ۱٤۲۱ھ - ۲۰۰۰م

69.**کنز الدّقائق** للشیخ الإمام أبی البرکات عبد الله بن أحمد بن محمود المعروف بحافظ الدین النسفی (ت ۷۱۰ھ)، مطبوعة: دار البشائر الإسلامیة، بیروت، الطبعة الأولیٰ ۱٤۳۲ھ.۲۰۱۱م

70.**اللّباب فی شرح الکتاب** للعلّامة عبدالغنی الغنیمی المیدانی الحنفی (ت۱۲۹۸ھ)، مطبوعة: دار البشائر الإسلامیة، بیروت، الطبعة الثانیة ۱٤۳٥ھ، ۲۰۱٤م

71.**لَمعات التّنقیح فی شرح مشکاة المصابیح** للشیخ عبدالحقّ محدّث الدهلوی الحنفی (ت۱۰٥۲ھ)،

72.**مجموع رسائل العلّامة الملّا علی القاری** للعلّامة علی بن سلطان قاری الحنفی (ت۱۰۱٤ھ)، مطبوعة: دار اللباب، الطبعة الأولیٰ ۱٤۳۷ھ.۲۰۱٦م

73.**المحرّر فی الحدیث** للشمس الدّین عُمر بن أحمد بن عبدالھادی المقدّسی الحنبلی (ت ٧٤٤ھ) ،مطبوعة: دار المعرفة،بیروت
74.**مختار الصّحاح** للشّیخ الإمام محمّد بن أبی بکر بن عبدالقادر الرّازی الحنفی (ت ٦٦٠ھ)،مطبوعة: دارإحیاءالتراث العربی،بیروت الطبعة الأولیٰ ١٤١٩ھ.١٩٩٩م
75.**مختصر القُدوری** للإمام أبی الحسین أحمد بن محمد بن أحمد بن جعفر بن حمدان القدوری البغدادی الحنفی(ت٤٢٨ھ)،مطبوعة:دار الکتب العلمیة، بیروت، الطبعة الأولیٰ١٤١٨ھ-١٩٩٧م
76.**مِرقاة المَفاتیح** للعلّامة نور الدین علی بن سلطان القاری الھروی الحنفی (ت١٠١٤ھ)،مطبوعة:دار الکتب العلمیة،بیروت،الطبعة الأولیٰ ١٤٢٢ ھ-٢٠٠١م
78.**المستدرک علی الصّحیحین** للإمام أبوعبدالله محمّدبن عبدالله حاکم نیساپوری (ت٤٠٥ھ)، مطبوعة:دار المعرفة،بیروت،الطبعة الثانیة١٤٢٧ ھ ٢٠٠٦.م
79.**المسند لأحمد** للحافظ أحمدبن محمّدبن حنبل (ت٢٤١ھ)،مطبوعة:عالم الکتب العلمیة،بیروت
80.**المعجم الأوسط** للإمام الحافظ أبی القاسم سلیمان بن أحمد بن أیوب اللّخمی الطّبَرانی (ت٣٦٠ھ)، مطبوعة:دار الکتب العلمیّة،بیروت،الطبعة الأولیٰ ١٤٢٠ھ.١٩٩٩م
81.**المفھم لما أشکل مِن تلخیص کتاب المسلم** للإمام أبی العبّاس أحمد بن عُمر قرطبی (ت٦٥٦ھ)،دار ابن کثیر،بیروت،الطبعة الأولیٰ ١٤١٧ھ. ١٩٩٦م
82.**المنھاج شرح صَحیح مسلم** للإمام یحی بن شرف النووی الدمشقی الشافعی (ت٦٧٦ھ)،مطبوعة:دار الکتب العلمیة،بیروت،الطبعة الأولیٰ١٤٢١ھ-٢٠٠٠م
83.**المنھاج فِی فقه الحنفیّة** للعلّامةشرف الدین أبی حفص عمربن محمدأنصاری عقیلی البخاری الحنفی (٥٧٦ھ)،ضبط متنه واعتنی به: عمر مصطفیٰ أحمدإبراھیم

**84.نُور الإیضاح** للعلامة أبی الإخلاص حسن بن عمّار بن یوسف الوفائی المصری الشرنبلالی الحنفی (ت١٠٦٩ھ)،مطبوعة: برکات المدینة،کراتشی

**85.الهِدایة فِی شرح بدَایة المبتدی** لشیخ الإسلام برهان الدین علی بن أبی بکر المرغینانی الحنفی (ت٥٩٣ھ)،مطبوعة: دار الأرقم،بیروت

**86.وقارالفتاویٰ** للمفتی الأعظم باکستان المفتی محمد وقار الدین الحنفی القادری (ت ١٤١٣ھ)، مطبوعه: بزم وقار الدین،کراتشی، طبعة: ١٤١٩ھ- ١٩٩٨م

أشدّاء علی الکفار رحماء بینهم
جمعیت اشاعت اہلسنّت پاکستان

جمعیت اشاعت اہلسنّت پاکستان

کی ایک دلکش کاوش

شانِ الوہیت و تقدیسِ رسالت کا امین

کوثر و تسنیم سے دھلے الفاظ، مشک و عنبر سے مہکا آہنگ

عشق و ادب کی حلاوتوں کا ماخذ

ترجمہ قرآن

# کنز الایمان

از

اعلیٰ حضرت امام اہلسنّت امام احمد رضا علیہ الرحمہ

اب پشتو زبان میں دستیاب ہے